

# پہلی ترین ناٹھر شار کے ترجمہ

(ایک تنقیدی جائزہ)



ڈاکٹر عبد الرشید صدیقی

# بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## کے ترجمہ

(ایک تنقیدی جائزہ)



ڈاکٹر عبدالرشید صدیقی

(حملہ حقوق بحق مصنف محفوظا ہیں)

۔۔۔

یہ کتاب فخر الدین علی احمد مسیوریل کمیٹی ہکومت اتر پردیش لکھنؤ  
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی

ناشر و مصنف : ڈاکٹر عبدالرشید صدیقی

پستہ : موضع سندہ ڈائیانہ سلطان پور کبیر پور ضلع امید کرنگر، یوپی

سنه اشاعت : ۱۹۹۷ء

تعداد : ۳۰۰

قیمت : تصور پر

کتابت : احمد جین قاسمی

طبعاً : باہتمام صبا پرمنگ و رکس، علی گڑھ

۔۔۔

”پنڈت رتن ناتھ سرشار کے تراجم“ کے زیر عنوان  
لکھے گئے اس مقالے پر مصنف کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی  
نے ایم۔فل۔ کی ڈگری تفویض کی۔

# انسَاب

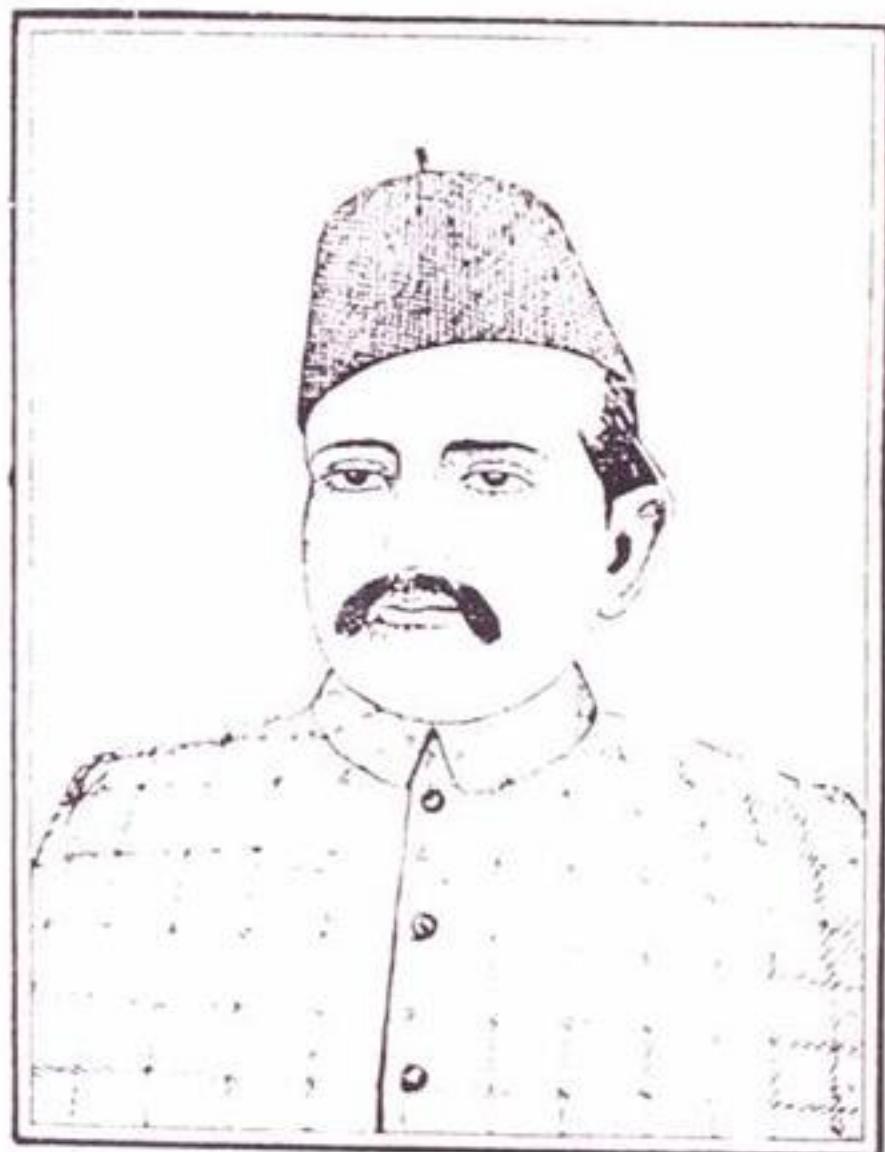
اعمی اور مرحوم والد کے نام جن کی دعاوں نے مجھے اس قابل بنایا



دانشگاہ تعلیم و تہذیب مسلم پورڈنگ ہاؤس لاہور کے نام  
جسکی فضائی میری ذہانت کو جلانچھتی

اور

اپنی پیاری بیٹی مہوش کے نام جو مجھے بہت عزیز ہے



پندت رتن نا تھ سرشار

(۶۱۹۰۲ — ۱۸۳۷)

نظریں نہیں رکھتا تو اپنے فن میں کوئی  
کریں گے صاحبِ انصاف اس سے کب انکار  
(سرشار)

## ترتیب

٩	خلاصہ مطالب
۱۱	باب اول : پنڈت رتن ناٹھ سرشار : حالاتِ زندگی و تصنیف —
۶۲	باب دوم : اردو میں شری ترجم کی روایت (سرشار کے عہد تک)
۷۸	باب سوم : سرشار بحیثیت مترجم : درج ذیل ترجم کی روشنی میں -
۸۰	۱۔ شمسِ لضھا
۸۹	۲۔ اعمال نامہ روس
۹۸	۳۔ الف لیلی
۱۰۷	۴۔ خدائی فوجدار
۱۱۷	کتابیات

## خلاصہ مطالب

بیحیثیت نادل نگار (فائدہ نگار) بینڈت رتن نامہ سرشار لکھنؤی کی شخصیت اردو ادب میں مسلم ہے۔ مگر یہ بات بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ اپنے دور کے ایک بہترین مترجم بھی تھے لیکن جیرت ہے کہ ہمارے ناقدین اور اربابِ نظر نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ کچھ حفظات نے توجہ دی لیکن تو محض فہمنا ذکر کرنا ہی کافی سمجھا۔ اس لیے صدورت محسوس ہوئی کہ سرشار کے ان سمجھی ترجم کو جو دستیاب ہیں سامنے رکھ کر ان کا تتفیدی جائزہ لیا جائے اور بیحیثیت مترجم سرشار کے منصب و مقام کا تعین کیا جائے۔ زیرِ نظر کتاب اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتب کی گئی ہے۔ یہ کتاب میں وضاحتی ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کا پہلا باب بینڈت رتن نامہ سرشار کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف سے متعلق ہے۔ اس باب کی تیاری کے لیے جو تاریخی مواد مختلف مأخذ سے دستیاب ہو سکا ہے۔ اسی کی بنیاد پر ان کے حالاتِ زندگی کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں جو متفاہد بیانات ملتے تھے ان پر معتبر شواہد کی روشنی میں محاکمه کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ یہ تफداد دور ہو سکے۔ اس باب کے ذیل میں سرشار کی تصانیف کا مختصر خاکہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں ترجمے کے متعلق کچھ اصولی گفتگو کرنے کے بعد اردو میں نشری ترجم کی روایت کا سرشار کے عہد تک مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کو پیش کرتے وقت اجتماعی کوششوں کے تحت فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، سائنس فک سوسائٹی اور انفرادی کوششوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ سرشار کے پیش نظر ترجم کی کیا نوعیت تھی۔

کتاب کے آخری باب "سرشار بحیثیت مترجم" میں سرشار کے دستیاب شدہ چار تراجم میں الفہمی اعمال نامہ، ردِس، الف لیلی اور خدا نامی فوجدار کا الگ الگ تفصیلی جائزہ پیش کر کے ان کی ادبی قادر و قیمت کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات کے گروں قدر مشوروں اور تعاون کا میں احسان مند ہوں ان میں میرے محترم شفیق استاذ جناب پروفیسر منظہ عباس نقوی صاحب کا نام سرفہرست ہے جنھوں نے اپنی بے حد مصروفیات کے باوجود میری رہنمائی کی اور وقت و وقت پر میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ شاید بغیر ان کے بیان ممکن ہی نہیں تھا۔

فخر الدین علی احمد مسیوریل مکتبی لکھنؤ کے چیرین محترم جناب (پروفیسر) ملک زادہ منظور احمد صاحب کا بھی میں بے حد ممنون و منشکور ہوں جنھوں نے مکتبی کی مالی انت فرما کر مقالے کو کتابی شکل میں شائع کرنے میں میری مدد فرمائی۔ یہ انھیں کافی فنا کرم ہے کہ یہ کتاب آپ تک پہنچ سکی۔ اس کے علاوہ میں جناب سراج رسولپوری صاحب کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے تابت سے لیکر اشاعت تک کی ساری ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لی۔ میں اپنے دال الدین، بزرگوں، کرم فرماوں اور دوستوں کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے میری مدد فرمائی۔ آخر میں میں ان مصنفوں کا بھی سکرگزار ہوں جن کی تصنیف سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

## عبد الرشید صدیقی

# حالاتِ زندگی اور تھائیف

اردو زبان ہندو مسلم سنتہ زیب کا سنگم ہے۔ اس زبان کی نشوونما میں جہاں مختلف اقوام بالخصوص مسلم قوم نے زبردست حضرت یا وہیں ہندو قوم بھی اس کی آبیاری میں ان سے کسی طرح پچھے نہیں رہی ہے۔ اردو زبان و ادب کے انھیں خادموں میں ایک اہم نام پنڈت رتن ناتھ درکشمیری کا ہے۔ جو اپنے نام رتن ناتھ در سے زیادہ اپنے تخلص "سرشار" سے مشہور زمانہ ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار پنڈت نیج ناتھ در کشمیر سے ہجرت کر کے دوسری کشمیری بیٹھنؤں کی طرح معاش کی تلاش میں لکھنؤ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اور ایک معزز شہری کی طرح زندگی اپنے کر رہے تھے۔

"رتن ناتھ در کے چھوٹے بھائی بشمیر ناتھ در اور بیٹے نرجمن ناتھ در سرکاری خزانے میں ملازم

لے تھے۔

پیدائش:

سرشار کی تاریخ ولادت کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہنا دشوار ہے۔ البتہ اتنی بات ٹھے ہے کہ وہ لکھنؤ میں بعهدِ امجد علی شاہ پیدا ہوئے۔ سن پیدائش کا تعین سرشار کے قریب ترین مصنف پنڈت بر ج نرائیں چکبست بھی نہیں کر سکے۔ وہ بھی بعض قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں۔ سرشار پر لکھے ایک مضمون میں وہ یوں رقم طراز ہیں۔

"اندازہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت سرشار لکھنؤ میں پیدا ہوئے تو محمد علی شاہ کا آخری

عہد تھا ۱۸۳۶ء تک

چکبست کی یہ قیاس آرائی بھی غلط ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ تاریخی اعتبار سے محمد علی شاہ کا عہد ۱۸۳۶ء سے ۱۸۴۲ء تک اور امجد علی شاہ کا عہد ۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۸ء تک ہے۔ اگر محمد علی شاہ کے آخری عہد میں سرشار کی پیدائش مانی جائے تو وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہوتی ہے

جس کی نفی خود چکبست اس طرح کرتے ہیں۔

"۲۱ جنوری ۱۹۰۳ء کو اس دارِ فانی سے رحلت کی تقریباً پچھن یا پچھپن برس کی عمر پائی،"  
یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر رام با بوسکینہ عبد اللہ یوسف علی ڈاکٹر اعجاز حسین، آل احمد سردار، آغا محمد باقر  
ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب اپریم پال اشک اور دیگر مصنفوں سرشار کے سین ولادت کے بارے میں  
۱۸۳۶ء پر متفق نظر آتے ہیں۔

### بچپن

ابھی سرشار چار سال کے بچے ہی تھے کہ والد محترم پنڈت نیج ناٹھ در کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور  
آپ نے دامانِ مادری ہی میں شفقت پائی۔ سرشار بچپن سے ہی ذہین اور شوخ مزاج تھے۔ ان کے مکان  
کے پاس ہی بعض مسلمان خاندانوں کے بھی گھر تھے۔ سرشار کو ان گھروں میں جانے اور مسلم بیگماں کی زبان  
سننے کا اکثر موقع ملتا تھا۔ آگے چل کر ان کی ادبی زندگی کے لیے یہ بات بہت کارامہ ثابت ہوئی۔

### ابتداء تعلیم

اس زمانے کے روایج کے مطابق سرشار کی تعلیم کی ابتداء بھی فارسی و عربی سے ہوئی۔ آپ کو  
عربی و فارسی پڑھنے کے لیے مکتب بھیجا گیا۔ اس طرح انہوں نے کم عمری میں ہی اردو و فارسی میں اچھی  
لیاقت حاصل کر لی اس پر لکھنؤ کے ادبی ماخول نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

### اعلیٰ تعلیم

اس زمانے میں انگریزی تعلیم بھی قابلیت کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ لہذا سرشار نے بھی  
مکتب کی پڑھائی کے بعد انگریزی اور جدید تعلیم کے لیے کینگ کالج لکھنؤ درجے بُرشن حکومت نے ۱۸۶۳ء  
میں قائم کیا تھا) میں داخلیا۔ سرشار کالج سے کوئی ڈگری تو حاصل نہ کر سکے۔ بچھر بھی مغربی علوم اور انگریزی  
ادب کی خاصی معلومات حاصل کر لیں۔ ڈگری حاصل نہ کر سکنے کی وجہ جگہ بریلوی اپنے والد کے حوالے سے یہ  
بیان کرتے ہیں۔

"راقم المعرف کے والد آنحضرتی کنو کنه بالاں کپور سرشار کے ساتھ اس کا لمحہ میں ہم سبق تھے۔ وہ فرمایا

کرتے تھے کہ استادوں نے رتن ناٹخا کو آزاد کر رکھا تھا۔ نگے سر، بال بکھرے ہوئے، اچکن کے مبن کھلے ہوئے، عجیب لا اباليانہ انداز سے کلاس میں آتے تھے۔ پڑھنے لکھنے سے کچھ سرد کارہ تھا۔ ایسے میں ڈگری کیے ملتی ہے۔

ڈگری تو حاصل نہ کر سکے مگر اس کے باوجود بقول سر عبد القادر، وہ (سرشار) کالج سے انگریزی کی اچھی صلاحیت لے کر نکلے جسے آگے چل کر انہوں نے اپنے ذاتی مطالعے سے اور بھی جلدی اور یہ بات آگے چل کر ان کی صحافتی اور ادبی زندگی کے لیے بہت ہی مفید ثابت ہوئی۔

### ملازمت:

کالج کی پڑھائی ترک کرنے کے بعد حصوں معاش کی خاطر سرشار نے کھیری لکھیم پور کے ضلع اسکول میں ہائی اسکول کی مدرسی کا پیشہ اختیار کیا۔ سہیں سے ان کی ادبی زندگی کی بھی ابتداء ہوتی ہے۔ اسی ملازمت کے دوران ۱۸۷۴ء میں فرنس و جغرافیہ جیسے مشکل مضمایں کی کتاب شمس الفتحی تحریر فرمائی۔ جو ۱۸۷۹ء میں جب کہ وہ اودھ اخبار کے ایڈٹر تھے۔ نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ جیسا کہ کتاب کے سر درق کی عبارت میں معلوم ہوتا ہے۔

”کتاب لاجواب موسوم شمس الفتحی از نتائج افکار و ابکار فضیع طلیق اللسان بلیل ہندوستان پنڈت رتن ناٹخا در صاحب لکھنؤی کاشمیری ماسٹر ہائی اسکول لکھیم پور کھیری حال ایڈٹر اودھ اخبار“۔

### ابتدائی مضامین

اسکول کی ملازمت کے دوران سرشار نے مختلف اخباروں، رسالوں کے لیے مضامین لکھنے شروع کیے۔ بقول چکیست

”پہلے دو مضامین جو حلقہ سرشار نے ”مراسلہ رکنیت“ میں اشاعت کے لیے بھیجے وہ فارسی زبان میں تھے۔

اس بات کی تائید سر عبد القادر کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

”ان کا پہلا مضمون کشمیری پنڈتوں کی جانب سے شائع ہونے والے ایک رسالے بعنوان

”در مراسله کشمیر، میں شائع ہوا۔“<sup>۱۷</sup>  
صحافتی زندگی :

سرشار کی صحافتی زندگی کی ابتداء ادھ بیخ سے ہوتی ہے۔ ادھ بیخ اپنے وقت کا ایک مزاحیہ جریدہ تھا جس کے ایڈٹر منشی سجاد حسین سرشار کے گھرے دوستوں میں سے تھے۔ اردہ ادب میں باقاعدہ مزاحیہ نگاری کی ابتداء کا سہرا ادھ بیخ اور بالخصوص اس کے ایڈٹر منشی سجاد حسین کے سر ہے۔ سرشار بھی جو پہلے زبان دبیان کے معاملے میں فساذ عجائب کے مصنف رجب علی بیگ سردار کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اس مزاحیہ اسلوب سے متاثر ہوئے بغیر نظر کے۔ جیسا کہ عبد القادر فرماتے ہیں۔

”فساذ عجائب کے مصنف رجب علی بیگ سردار کے پر تقصیع اسلوب کا ان دونوں لکھنوں میں چلن تھا۔ رتننا<sup>۱۸</sup> سرشار نے بھی کچھ دونوں ان کی نقل کی مگر جلد ہی انھوں نے فطری اسلوب کے مقابلے میں اسے چھپوڑ دیا اور اس فطری اسلوب کو اپنایا۔ ان کے نئے اسلوب کی ابتداء ادھ بیخ سے ہوئی۔ جو لکھنؤ سے نکلنے والا ایک مزاحیہ جریدہ تھا۔ جسے منشی سجاد حسین نے شہرت بخششی منشی جی پہلے مصنف ہمیں انھوں نے اردہ جرائد کو مزاح اور ظرافت سے روشناس کرایا۔“<sup>۱۹</sup>

ادھ بیخ کے علاوہ جن دوسرے جرائد کے لیے سرشار نے مضمون لکھے ان میں ”مراہ الہند“ اور ”ریاضن الاجار“ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس آزاد صحافت کے دوران سرشار کو زصرف عوام میں مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ سرکاری حلقوں میں بھی آپ کافی مقبول ہو گئے چنان چہ سرشنتر تعلیم کے مہتمم اعلاد اکٹر گرینیچ نے اپنی سالانہ رپورٹ جو محکمہ کو پیش کی تھی۔ اس امر کا بھی اعلان کیا کہ ”جیسا صحیح اور با محاورہ ترجمہ پنڈت رتننا تھا سرشار کا ہوتا ہے۔ دیسا کسی دوسرے شخص کا صوبے بھریں نہیں ہوتا ہے۔“<sup>۲۰</sup>

### ادھ اخبار کی ادبیت:

منشی نوں کشور جو اس وقت فارسی اور اردو کتابوں کے مشہور ناشر تھے جب انھیں سرشار کی

روز افرزوں شہرت کا علم ہوا اور انہوں نے خود بھی سرشار کی تکنیک اور اسلوب کا بغور مطالعہ کیا تو سرشار کو اپنے "اخبار اور دھماکہ اخبار" کے ادارت کی پیشکش کی جسے سرشار نے کچھ تو دوستوں کے اصرار اور کچھ اپنی مالی پریشانیوں کی بنابر قبول کر لیا۔ جب اور دھماکہ اخبار کی ادارت سرشار کے ہاتھوں میں آئی تو اور دھماکہ اخبار کی مقبولیت بھی کافی بڑھ گئی۔ یہ بات آگے چل کر منشی سجاد حسین سے رقبات کا باعث بھی ہوئی۔ غالباً سرشار نے "ادھماکہ اخبار" کی ایڈیٹریٹری ۸ رائٹر ۱۸۸۷ء سے شروع کی۔ کیوں کہ اس اخبار میں ان کا ایڈیٹریٹری ۸ رائٹر ۱۸۸۷ء سے شروع ہوتا ہے۔

اس طرح سرشار کی باقاعدہ صحفی زندگی کا آغاز "ادھماکہ اخبار" سے ہوتا ہے ۱۸۸۶ء تک ان کے سب مफنا میں اس اخبار میں شائع ہوتے رہے۔ چوں کہ اس سے پہلے بھی وہ صحفات میں دخل رکھتے تھے۔ اس لیے پبلک کے مزاج سے گہری واقفیت ہو چکی تھی۔ اور دھماکہ اخبار کا قلمدان سنبھالتے ہی لکھنؤ کے مخصوص رسم درواج پر مزاحیہ انداز میں "ظرافت" کے عنوان سے ایک قسطدار سلسلہ شروع کیا۔ (یہی آگے چل کر شہر آفاق ناول "فسانہ آزاد" کی صورت میں شائع ہوا) جسے عوام میں بڑی مقبولیت حاصل ہوتی۔ اور دھماکہ اخبار کی ایڈیٹریٹری کے دوران نوکلشور پر پیس لکھنؤ سے سرشار کی درج ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

#### (۱) شمس الفتحی ۱۸۸۸ء

#### (۲) فسانہ آزاد ۱۸۸۷ء

(۳) دُونل میکنزی والیس کی ہسٹری آف ریشا کا ترجمہ اعمال نامہ روڈس ۱۸۸۶ء۔

(۴) جام سرشار ۱۸۸۶ء (جو پہلے "فسانہ جدید" کے عنوان سے اور دھماکہ اخبار میں ۱۸۶۹ء میں شائع ہو چکا تھا)۔

غالباً ۱۸۸۶ء کے بعد سرشار نے اور دھماکہ اخبار کی ملازمت ترک کر دی۔ کیوں کہ اس کے بعد ان کے دوناول جیلی پرننگ درکس لکھنؤ نے شائع کیے جن کی تفضیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ناول کامنی جو ۱۸۹۳ء میں تصنیف ہوا اور ۱۸۹۴ء میں جیلی پرننگ درکس لکھنؤ سے چھپ کر

منظیر عام پر آیا۔

۲۔ خمکدہ۔ تزار جو سرشار کے مختصر نادلوں کو ڈم دھم، بچھڑی ہوئی دہن، ملوفاں بے تیزی، بی کہاں اور مہشو کا نبوغہ ہے۔ یہ پانچواں نادلٹ بھی جبلی پڑھنگ درکس لکھنؤ نے ۱۸۹۵ء میں شائع کیا۔

### الله آباد ہائی کوسٹ میں بحیثیت مترجم

او دھ اخبار کی ادارت سے علاحدہ کی کے بعد کچھ دنوں تک سرشار ال آباد ہائی کورٹ میں بحیثیت مترجم بھی ملازم رہے۔ مگر دفتری نظرِ دصبط کی سختی کے دھتمل نہ ہو سکے اور بخوبی سے ہی دنوں میں لازم ترک کر دی۔

اس ملازمت کے دوران ڈاکٹر نہر کے سیاسی پیفلٹ ہسٹری آف ایجپٹ (History of Egypt) کا ترجمہ "شاخ نبات" کے عنوان سے کیا مشہور داستان "الف لیلی" کا ترجمہ بھی کیا جو اس نام سے شائع ہوا۔ ماہنامہ نقوش کے افسانے نمبر کی اطلاع کے مطابق "مشہور فارسی قصہ الف لیلی" کا ترجمہ نیڈٹ رتن تاٹھ سرشار نے ۱۹۰۴ء میں کیا۔ اور دونوں جلد دوں پر سن اشاعت ۱۹۰۴ء ہی درج ہے ۱۸۹۵ء میں ڈان کوئنز اٹ (Don Quixote) کا ترجمہ "خدا ہی فوجدار" کے نام سے کیا جواپنے دور کا مشہور اپنی نادل تھا۔ اس طرح سرشار کا یہ دوریقی دور نہ ہو کر ایک طرح سے ترجمہ کا دور کہا جا سکتا ہے۔ سبھی وہ دور ہے جب انہوں نے بحیثیت مترجم اپنا شخصیت کو نمایاں کیا ہے۔

### شاعری:

سرشار اپنے وقت کے ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ شاعری میں وہ منشی مظہر علی اسیر سے تلمذ رکھتے تھے۔ یہ وہی اسیر ہیں جنہیں مصححی سے شرفِ تلمذ ہاصل تھا اور جو نواب نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ کے عہد میں شاہی ملازمت پر رہے۔ (۱۱) انہیں اپنے استاذ سے بے حد عقیدت تھی اور کہا کہ تو تھے کہ منشی اسیر کتنے شاگردوں کو استاد بنائے۔ مشاعروں میں اکثر شرکت کیا کرتے تھے۔ ایک بار

لکھنؤ کے ایک مشاعرے میں یہ شعر پڑھ کر پورا مشاعرہ لوٹ یا۔ ۷  
 حال سب میری سخت جانی کا بارڈھ کہتی ہے مرد کے خبر سے  
 ہر چند کہ انہوں نے شاعری بھی کی لیکن ان کا اصل میدان شاعری نہیں تھا ہے۔ مگر ایک عام  
 شاعر کی نسبت سرشار کا کلام پاک صاف فضیح و بیخ ہے۔ جیسا کہ عبدالشکور صاحب فرماتے ہیں۔  
 ”سرشار مفرغز گو بختنہ کار اور صاحبِ ذوق شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ کلام کا انداز بتارہا ہے کہ فساد آزاد کا  
 صنف نظر و نظم دونوں پر کیساں قادر ہے۔ اشعار میں لطافت، پاگیزگی اور رنگینی موجود ہے،“<sup>۱۲</sup>  
 سرشار نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ انہوں نے غزلیں، قصائد اور  
 مشنویوں کے علاوہ تاریخی بھی بھی ہیں۔ سرشار کی دو بہترین غزلیں موجود ہیں۔ پریم پال اشٹک نے دونوں  
 غزلیں اپنی کتاب ”سرشار ایک مطالعہ“ کے ص ۹۲-۹۳ پر نقل کی ہیں۔ ان غزلوں میں خالص لکھنؤی  
 زنگ پایا جاتا ہے۔ اور انداز بھی روایتی ہے۔ ردیف و قافیہ کو بخوبی برناگی کیا ہے۔ کلام میں زبان کی  
 صفائی اور شکفتگی بھی ملتی ہے اور طرزِ ادا کی ندرت بھی۔ تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی برعکل  
 ہوا ہے۔ لکھنؤ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ۸

شکایت پر کدورت کی دکھاتے ہیں وہ آئینہ

اشارہ ہے کہ اب دل میں صفائی ہوتی جاتی ہے

ہجومے کر رہے ہیں کیوں داعظ ان کو اس کامرا نہیں معلوم

### قصائیں:

سرشار نے ایک عمدہ قصیدہ بھی لکھا ہے۔ جسے انہوں نے اکتوبر ۱۸۹۳ء میں منعقدہ  
 کشمیری پنڈتوں کی لکھنؤ کا نفرنس میں پڑھ کر سنایا تھا۔ قصیدے کا عنوان ہے ”قصیدہ  
 طوفانِ سرشار“۔ یوں تو یہ قصیدہ کشمیری قوم کے نوجوانوں کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اگر  
 قوم کا لفظ پوری ہندستانی قوم کے معنوں میں استعمال کیا جائے تو یہ قصیدہ ملک کے نوجوانوں کا قصیدہ  
 بن جاتا ہے۔ سرشار کا یہ قصیدہ کسی بادشاہ کی تعریف میں مال ددولت اور جمیعتی شہرت کی خاطر نہیں لکھا

گیا ہے۔ بلکہ ہندستانی بچوں کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ قصیدے کا انداز تور دایتی صزدہ ہے مگر قصیدہ ردا یتی نہیں ہے۔ اس میں قصیدے کے سارے اتزام برتبے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قصیدہ فارسی میں بھی ہے۔ جو سرشار کی فارسی دانی پر دلالت کرتا ہے۔

### متنوی:

سرشار نے متنوی "تحفہ سرشار" لکھ کر ایک طرح سے متنوی کی صفت کو بھی وسعت بخشی ہے۔ اس سے پہلے زیادہ تر متنویان عشق و محبت کے کہنے و فرسودہ قصوں پر مبنی ہوتی تھیں۔ مگر سرشار کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اس کے ذریعے قوم کی اصلاح کا کام لیا ہے۔ سرشار نے متنوی اپنے دوست پنڈت لشنا نرائن در کی ولایت سے واپسی پر لکھی اور اس کو ان کے اعزاز میں دیے جانے والے استقبالیے میں پڑھ کر سنایا بھی۔

قصہ دراصل یوں ہے کہ اس زمانے میں پنڈت قوم میں یہ خیال عام تھا کہ سمندر پار جانے سے مذہب بر باد ہو جاتا ہے۔ اس لیے لشنا نرائن در کے ولایت جانے پر پنڈتوں کے ایک فرقے نے انھیں مذہب سے خارج کر دیا تھا۔ متنوی اس کے جواب میں کہ سمندر پار جانے سے مذہب بر باد ہنسی ہوتا ہے بلکہ یہ برے کام کرنے سے بر باد ہوتا ہے متنوی کے ہیر و لشنا نرائن در ہیں۔ شاعر نے بر ٹھی خوبی سے کردار نکاری کے فرائض انجام دیے ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی متنوی بہت ہی دل کش اور کامیاب ہے لار سری ارام اس متنوی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

"پنڈت لشنا نرائن در اور ابر کی ولایت واپسی پر جو طوفان شور دشرا کا بر پنڈتاں کی شیر نے بر باد رہی

میں اٹھایا اس سے یہ بے حد تماز ہوتے اور اپنی خدا واد ذہانت اور عاقبت بینی سے جو خیالات بھر طبع میں موجود ہوتے۔ انھیں "تحفہ سرشار" میں جو اس معکر کے متعلق قلم برداشتہ لکھی گئی تھی۔ بر ٹھے لمحپ پر اسے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور اس نے بر ٹھی خدا تک سفر و لایت کے جواز کا فیصلہ کرنے میں آسانی پیدا کر دی۔" (۱۲)

اس کے علاوہ سرشار نے قطعات در باغیات بھی لکھی ہیں مگر یہ سب صرف منہ کام زا بدلنے کیلئے ہیں۔ تاریخی قطعات میں کچھ تو وہ ہیں جو دو توں کی دفات پر لکھے گئے تھے اور بعض کا تعلق کتابوں کے

من طباعت سے ہے۔ جن دوستوں کی تاریخ وفات کمی ان میں شونراں بیهاد لکھنؤی، پنڈت ترجمون ناگہہ، پنڈت ٹھپی نراں دردکیل، پنڈت راج نراں صاحب تکو جیب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سرشار نیچرل شاعری کو بہت پسند کرتے تھے۔ ان کی شاعری نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ ہے نیچرل شاعری سے مراد قدر تی مناظر کی عکاسی نہیں بلکہ اس سے وہ فن شاعری مراد ہے جو حقیقت سے قریب تر ہے۔ سرشار کی نیچرل شاعری پر عبد الباری آسی صاحب اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں۔

"نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ ان مدعاں بے خبر کو شرمنانا چاہیے کہ جو خواہ مخواہ ہر بے تکمی بڑکو نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں"۔ (۱۳)

سرشار کی مزاجیہ شاعری بھی اپنا جواب نہیں کھتی جوان کا اپنا خاص انداز ہے۔ فسانہ آزاد میں جہاں بھی سرشار نے خوبی اور آزاد سے مزاجیہ قصیدے کھلوائے ہیں۔ وہ ان کی اپنی کاوشی فکری کا نتیجہ ہیں۔ سرشار شاعری کو سماج سے قریب تر لانا چاہتے تھے۔ وہ روایتی شاعری کے بالکل خلاف ہیں۔ "سیر کوہسار" میں وہ شعرو شاعری کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔

"اول تو اس زمانے میں شعرو شاعری کوئی کار آمد شے نہیں اور اگر ہبھی تو اس میں بھی زمانہ حال کے مطابق ہم ترقی نہیں کرتے پرانے دھرے پر چلتے ہیں۔ اور اسی پرانی لکیر کے نیقر میں۔ وہی تک بندی دہی گھلی دبلیل کا جھگڑا اور حسن غشتن کی بحث۔ دہی مجنوں اور لیلی فرمادا و شیریں اور دامی و غدر کے عشق کی کہانی اور سرے مسی پان اور آواز خلیمال اور عشق کے لب لعل اور بوئے روح پر در کا ذکر مذکور اور منصور کا سولی پر چڑھنا۔ فرمائیے اس سے دینا اور عقبی کا کونسا فائدہ ہے"۔ (۱۵)

سرشار کا شعرو شاعری کے متعلق یہ انتہا پسندانہ خیال دراصل اس دور کی اصلاحی تحریکوں کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ غرض شاعری میں سرشار حانی کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔

### سفرِ حیدر آباد:

حیدر آباد جو کہ تہشیہ سے اپنی ادب نوازی کے لیے مشہور رہا ہے۔ اردو ادب کے تھریٹاہر بڑے ادیب نے حیدر آباد کا سفر ضرور کیا ہے۔ سرشار بھی ۱۸۹۵ء میں اذ آباد مانی کوئٹہ کی متوجہ ہی سے اگر

ہونے کے کچھ دنوں بعد حیدر آباد پر تشریفی لے گئے۔ اس سفر کا حال انہوں نے خود کشیر پر کاش بابت مارچ ۱۸۹۹ء میں یوں بیان کیا ہے۔

”چار برس کا عرصہ ہوا کہ میں کانگریس کا ممبر ہو کر مادر اس گیا تھا۔ وہاں سے بخت رسا حیدر آباد کی لائے۔ یہاں کے ہندو اور مسلمان امراء اور پلیک نے بڑی خاطر کی..... ہمارا جگشن پر شاد بہادر فوج آصفی نے جو وزیر اور مدارالمہام بھی رہ چکے ہیں۔ مجھے بلا یا اور دوسو کا تو کر رکھ لیا۔ اور شعروں سخن اور نثر کی اصلاح لینے لگے..... اب میرے منصب کی کوشش ہو رہی ہے..... خدا نے چاہا تو پندرہ دن کے اندر میرا نو تصنیف ناول ”گور غربیاں“، تالع ہو گا۔“ (۱۶)

حیدر آباد سے سرشار نے ہمارا جگشن پر شاد کی سرپرستی میں ایک ادبی رسالہ ”دبدب آصفی“ نکالنا شروع کیا۔ ہمارا جگشن نے اس رسائل کے جملہ حقوق سرشار کے نام محفوظ کر دیے تھے جیسا کہ رسالے کے پہلے شمارے بابت ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ کے سرور ق کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

”جملہ حقوق پنڈت رتن ناتھ سر شکر محفوظ ہیں“

اس رسائل کے دوسرے شمارے میں ”چنپل نار“ کے نام سے ایک ناول قسط و ارشادی ہونا شروع ہوا مگر وہ بھی نامکمل رہا۔ چکبست کا کہنا ہے کہ اچھا ہی ہوا کہ یہ نامکمل رہا۔ مگر چکبست نے اس کی کوئی وجہ سنبھال بیان نہیں کی کیوں اچھا ہوا۔ بعد میں ”چنپل نار“، ہی کے نام سے ایک ناول مکمل کتابی شکل میں شائع ہوا۔ جس پر مصنف کا نام ہمارا جگشن پر شاد درج ہے۔ اس یعنی تحقیقین میں یہ بحث رہی کہ ”دبدب آصفی“ کا قسط وار نامکمل ناول کس کی تصنیف ہے۔ عظیم الشان صدیقی نے اپنی جدید تحقیق کی روشنی میں مختلف شواہد کو مدد نظر کھٹکتے ہوئے یہ تیجہ اخذ کیا ہے جس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں آتی۔

”حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی تمام لفاظی اور دعوے کے باوجود ہمارا جگشن پر شاد نے نہ تو چنپل نار دبدب آصفی لکھا ہے اور نہ ہی وہ مکمل ناول چنپل نار لکھا ہے جو ۱۲۲۱ھ میں مطبوع نامی حیدر آباد کی سے محمد اکبر خاں کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا اور جو دو سو اسی صفحات پر مشتمل ہے۔“ (۱۷)

اس ضمن میں وہ آگے چل کر چنچل نار (بدبیر آصفی) سرشار کی تصنیف اور مکمل ناول چنچل نار اغتر مینانی (خلف الرشید امیر مینانی) کی تصنیف بتاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس ناول کی بنای پر مہارا جہش پر شاد اور سرشار کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وجہ اختلاف ناول نہیں تھا بلکہ ان کی انتہاد رجے کی شراب نوشی تھی۔ عرض سرشار حیدر آباد سے لکھنؤ دا بیس آگئے۔ مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد پھر حمد رآباد دا بیس بلا لیے گئے اور تا جہات دہیں قیام پذیر رہے۔

### سرشار کی شخصیت:

شكل و صورت بے بقول عبد القادر سرشار اپنی جوانی میں ایک لمبے، تو انداز اور خوب صورت آدمی تھے۔ جو اپنے ہنس مکھ چہرے حافظ جوانی، بندلہ سجنی اور اپنے مزاہیر بات کرنے کے انداز سے معین کو ہمیشہ ہنستے رہتے تھے۔ دور ان گفتگو مشہور شاعروں کے اشعار اور مصنفوں کے جملے بھی چپیاں کرتے جاتے تھے۔ ان کے ایک قریبی عزیز کنوکشن بخش ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ پنڈت صاحب مرحوم نے اپنے احباب کو گھر مدعو کیا اور خود دہماں سے غائب ہو گئے۔ دوستوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ نظر کی مگر بجز ایک فقرے کے جو کہ دروازے پر لکھا تھا کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ فقرہ یہ تھا "آج اپریل فول ہے۔ آپ اس کا فائدہ اٹھائیے۔" اس پر سب کے سب سنس دیے۔ اور ہوا خوری کرنے ہوئے گھر کو دا بیس ہو گئے۔ (۱۸)

تصویر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا چہرہ گول اور بھرا ہوا تھا۔ بڑی اور موٹی موجھیں رکھتے تھے۔ قد لمبا اور تو انہیں چہرہ ہمیشہ بشاش اور کھلا ہوا رہتا تھا۔ بقول خواجہ عبد الجبید "سرشار کے گھنی دار ہی تھی"۔<sup>۱۹</sup> مگر اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں رکھلی ہو۔

### لباس:

انسان کی شخصیت کو اجاگر کرنے میں لباس کا بھی بڑا حصہ ہوتا ہے۔ سرشار کا لباس بھی ان کی سیرت کی عکاسی کرتا ہے۔ سرشار ہمیشہ قمیں کے اور پر بھی کبھی اپنی یا البا کوٹ تنگ موری کا پاجا اور سر پر ترکی ٹوپی پہننے تھے۔ مگر ان کی یہ ٹوپی بننا پھندنے کی ہوتی تھی۔ اس طرح ان کا لباس

بالکل لکھنؤی تہذیب و مدن کی عکاسی کرتا ہے۔ سر عبد القادر سرشار کے بس کے متعلق یور بیان کرتے ہیں۔

” وہ (سرشار) ترکی ٹوپی پہنے تھے۔ جو کہ اس وقت کے مسلمانوں میں سرکامقبول بیاس تھا وہ بھی فوٹوگراف جو میں نے دیکھے میں ان میں سرشار ترکی ٹوپی لگائے ہوئے ہیں مگر ایک خصوصیت کے ساتھ کہ ان کی ٹوپی بنا پھندنے کے ہوتی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ اتفاق یہ ہوتا تھا یا اس کی (رچند نے) کمی ایک مخصوص نشان تھی؟“ (۲۰)

سییرت :

پنڈت رتن ناٹھ سرشار ایک خوش مزاج چوپھال ذہن کے مالک تھے۔ آپ اپنی گفتگو سے ساری مخالف کو زعفران زار بنادیتے تھے۔ دو توں کوتنگ کرنے میں آپ کو بڑا مرزا آتا تھا۔ پر یہم پال اشک ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جسے اخنوں نے بہارِ کشمیر کے سرشار نمبر سے اخذ کیا ہے۔

” ایک بار کا ذکر ہے کہ بابو گنگا پر شادور ما آپ سے خفا ہو گئے اور کہا کہ اب تمہیں اپنے ساتھ بٹھا کر کبھی نہ کھلانیں گے۔ بابو صاحب کے یہاں کی پوریاں آپ کو بہت پسند تھیں۔ آپ کو خند کہ ہم کھا کر رہیں گے یعنی ایک دن آٹھ تک شام آپ پریشان حال صورت ہر اس بابو صاحب کے گھر پہنچے اور کہا غضب ہو گیا۔ اس ناوقت پچھا صاحب آپکے۔ آپ جانیں میرے یہاں مسلمانی کارخانے ہے۔ وہ دھرم کے پابند ہیں۔ نوکر چلا گیا ہے آپ ہمہ بانی کر کے اپنا نوکر ساتھ کر دیجئے۔ ایک گلاس پانی لے چلے۔ میں بازار سے پوری دلوادیں گا۔ میرے ہاتھ کا چھوا پچھا صاحب نہیں کھاتے۔ اب اس وقت کہاں جاؤں۔ بابو صاحب چلکے میں آگئے۔ کہا میں نے تمہیں کھلانے کی قسم کھائی ہے۔ پچھا صاحب سے ملیں کوئی شکایت نہیں۔ تم گھر چلو پچھا صاحب کی خدمت کرو۔ ہم سب سامان بھجواتے ہیں یعنی آپنے اس دن ورما صاحب کے پکوان کی خوب راد دی اور نوکر کے ہاتھ نشکریہ کا خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ ”پچھا صاحب کو دھرائے اور چلے گئے

کچھ پتہ نہ چلا۔ کھانا خراب ہوتا۔ مجبور انتخی کھانا پڑا۔ با بوصاحب کو معلوم ہوا تو خوب ہنسنے اور پنڈت صاحب سے کہا کہ بھائی میں نے تو یہ قوڑ دی۔ جب جی چاہے بے تکلف آکر کھایا کر دی۔<sup>۲۱</sup>

### حلقةِ احباب:

سرشار کے دوست بھی ایک سے بڑھ کر ایک بذریعہ اور بھروسہ تھے۔ چاہے وہ ترکھون ناٹھ، بھر ہوں منشی سجادین ہوں یا مزد محظی بیگ ستم ظریف۔ بھی ظرافت میں طاقت تھے۔ ایک بار دوستوں کی محفل جمی ہوئی تھی اور ادب پر گفتگو ہو رہی تھی پنڈت ترکھون ناٹھ، بھرنے دوران گفتگو کہا کہ اگر کوئی ایسا نادل ہے جو ایک بار پڑھے اور بیس بار نہ سنسے تو وہ ڈان کو گزرا ہے اردو میں بھی اسی طرح کا نادل ہو تو کیا خوب ہے۔ سرشار نے بھر کی بات کو دماغ میں رکھ کر ہی اپنے فرانے "فسار آزاد" کا تانا بانا بنا تھا۔ خوجی دراصل ڈان کو گزرا ہی ہے جسے ہندستانی جامہ پہنا دیا گیا ہے۔ سرشار کا دل کدرت سے پاک تھا۔ فسار آزاد کے بارے میں جب سرشار اور منشی سجادین میں اختلاف پیدا ہوا تو صاحب سلامت تک ترک ہو گئی مگر بعد میں صلح صفائی ہو جانے پر دونوں حضرات پھر ایک ہو گئے۔ حضرت سرشار نے انتقال سے قبل جو آخر میں ہنمون لکھا تھا وہ منشی صاحب کے اخبار اور دوہنیج کے لیے ہی تھا اور اس میں شائع بھی ہوا۔

### سیکولر ذہن:

سرشار فرقہ پرستی اور مذہبی کثیر پن سے بہت دور تھے۔ ان کے اندر تعصب بالکل نہ تھا۔ یہ بات سرشار کی زندگی کے ہر پہلو سے نمایاں ہوتی ہے۔ چاہے وہ بہاس کا معاملہ ہو یا دوستوں یا رہوں کی عقلیں۔ سرشار ہر پہلو سے اپنے سیکولر ذہن کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات اور دو صفحہ کر دینی صورتی ہے۔ کہ سرشار کے استادِ محترم منشی مظفر علی اسیر تھے جن سے سرشار نے بے حد عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے کبی شخص کی تصانیف بھی اس کے باطن کی عکاس ہوتی ہیں جو خیال مصنف کے دل میں ہوتا ہے وہ نظم و نثر کی صورت میں کاغذ کے صفات پر الفاظ کا بہاس یہیں کر سامنے آ جاتا ہے۔ سرشار کی تصانیف بھی ان کے سیکولر ذہن کی غمازی کرتی ہیں۔ ان کی تصانیف سے

یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ ایک ہندو مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ بقول سر عبدالقدار  
”ادب میں علاحدہ ان کے نام کے مشکل سے کوئی ایسی شے ملے گی جس سے یہ ظاہر ہو کہ انکے  
نادل کسی ہندو مصنف کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں“ (۲۲)

سرشار ہر قدم مذہب کو اچھا سمجھتے تھے۔ اور اس بات میں یقین رکھتے تھے کہ مذہب ہمیں  
انسانیت اور بھائی چارہ کا درس دیتے ہیں۔ اختلافات مذہب کے تھیکیداروں نے پیدا کر رکھے  
ہیں۔ دکھاوے کے مذہب سے انھیں سخت نفرت تھی۔ اس لیے اکثر اپنی تصانیف میں وہ مذہب  
کے تھیکیداروں، ملاوں، پنڈتوں، پیروں، فقیروں کی اچھی طرح خبر لیتے ہیں۔

سرشار کی شخصیت کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی کہ وہ ہمیشہ جھوٹی شہرت سے بے نیاز رہے  
انھوں نے شہرت کے لیے کچھ بھی نہیں لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ سرشار اپنی تصانیف کی نقل بھی اپنے  
پاس نہ رکھتے تھے۔ ان کی یہ بے نیازی اسی حد تک محدود نہ تھی بلکہ وہ جاہ و ثروت سے بھی  
بے نیاز رہے۔ زندگی میں انھوں نے کبھی کسی امیر یا بادشاہ کا دروازہ نہیں کھلکھلایا۔ اور زندگی  
کسی کی قصیدہ خوانی کی۔ زندگی کے آخری دنوں میں ایک رئیس کے پہاں رسانی حاصل ہوئی  
مگر وہ بھی اپنی کوشش سے نہیں اور جب تھوڑی سی عزت میں کمی محسوس کی تو اس کو خیر آباد کر کہہ دیا۔  
سرشار کے قصیدے ”قصیدہ طوفانِ سرشار“ کا یہ شعر ان کی اس بے نیازی کی بخوبی صراحت کرتا  
ہے۔

اسی زمانے میں تو بھی امیر ہو جاتا  
قبولِ زر میں نہ ہوتا اگر تھے انکار

آزاد طبیعت :

ع: طبیعت ایسی ملی شوخی سے چنگل نار

سرشار کا یہ مصرع ان کی آزاد روی اور طبیعت کی شوخی کو ظاہر کرتا ہے۔ سچ پچھ آنکی  
ہر دا میں شوخی اور بانگیں موجود تھا۔ وہ ہمیشہ آزاد رہے۔ کبھی کہیں بھی بندھ کر نہ رہے۔

کھیری صنعت اسکول کی مدرسی سے اکتائے تو نوں کشور کے پاس گئے۔ جب یہاں آزادی میں کمی محسوس کی تو اودھ اخبار کی صحافت کو خیر آباد کہہ دیا۔ اور لالہ آباد ہائی کورٹ میں متجمیع کا پیشہ اختیار کیا۔ جب سرکاری لوازمات اور بندشون سے ادبے تو اسے بھی خدا حافظ کہہ دیا۔ یحیدر آباد میں ہمارا جکشن پر شاد کی شفقت میں کمی محسوس کی تو لکھنؤ والیس لوٹ آئے۔ غزنی وہ سینئر ہر طرح کی غلامی سے آزاد رہے۔

### ہمہ جہت اور با اثر شخصیت:

سرشار ایک ہمہ جہت اور با اثر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے خداداد ذمہن اور عالمانہ و فاضل از لیاقت نے ان کی شخصیت کو با اثر شخصیت بنادیا تھا۔ فارسی اور اردو کے سلیکر اشعار زبان پر ہوتے تھے۔ اور حسب موقع انھیں بخوبی چپیاں بھی کرتے تھے۔ اسی شخصیت کا اثر تھا کہ دوست تو دوست حریف بھی آپ کی عزت کرتے تھے۔ مثال کے طور پر عبد الحليم شریج جن سے سرشار کے تعلقات بہت کثیر تھے۔ فناہ آزاد کے اسلوب کو بڑی ستایش کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سرشار کے نام ان کا خط اس بات کی وضاحت کرتا ہے۔ خط کے آخر میں جواشعار فناہ آزاد کی تاریخ کے سلسلے میں کہے گئے ہیں بہت ہی خوب ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

کن کن محاوروں کا کیا ہے نباہ واہ	بو لے شفیق واہ عدو بولے آہ آہ
کرتا ہے تر رہ مصرع تاریخ پیش کش	
کیا بول چال لکھی رتن ناٹھ واہ واہ	

### لاپرواہی دے اعتمادی:

سرشار بچپن ہی سے لاپرواہ دا آزادی داشت دا قع ہوئے تھے جس زمانے میں وہ کافی میں تعلیم پاتے تھے اس دور میں بھی ان کی لاابالی پن کا یہی عالم تھا۔ زندگی کے ساتھ یہ لاپرواہی دے اعتمادی بڑھتی گئی۔ ان کی یہ لاپرواہی اپنے ہی ذات تک محدود نہ رہی۔ وہ تو تخلیقات کے

معاملے میں بھی لاپرداہ ہوتے گئے۔ فناہ آزاد کی کاپی پریس میں جانے کا وقت ہو رہا ہے اور سرشار کمیں مست ہیں۔ پریس کا نوکر آتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں شراب کی بوتل ہوتی ہے اور دوسرا میں پریس کی کاپی۔ سرشار کو لایا جاتا ہے۔ دونوں چیزیں ان کے حوالے کی جاتی ہیں۔ سرشار بیٹھتے ہیں اور ایک ہی بار میں قلم برداشتہ فناہ آزاد کی ایک قسط لکھ کر دیتے ہیں۔ کتابت پڑھنا تو درکار پروف پڑھنے کی بھی نوبت نہ آتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فناہ آزاد میں ربط و سلسلہ کا نقدان پایا جاتا ہے۔

اپنی ذات سے لاپرواہی کا یہ عالم تھا کہ شراب سارے غم کامدا وابن گئی تھی۔

**عمر مے خانے میں سنتے ہیں سرشار کسی کی**

بیٹنے پر آجاتے تھے تو خوب پیتے تھے۔ اس لیے ان کی صحت دن بدن گرتی گئی۔ سر عبدالقادر کے

بیان کے مطابق :

”جیدر آباد میں زندگی کے آخری دنوں میں آپ بالکل نبدر بیل ہو گئے تھے۔ ملکے بخار کی وجہ سے جسم سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ مشکل سے کوئی غذا پہنچم ہوا پاتی تھی۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ جوانی میں جو شراب کی عادت پڑ گئی تھی وہ چھوٹ نہیں۔ یہ ان کی زندگی کے لیے تباہ کرنے ثابت ہوئی۔ (۲۳)

انھیں حالات میں بالآخر، ۲ جنوری ۱۹۰۲ء کو جیدر آباد ہی میں انتقال فرمایا اور وہیں زندگی کے آخری رسوم ادا ہوئے۔ بقول عبدالقادر سر :

”وہ (سرشار) پچین یا چھپن برس کی عمر میں، ۲ جنوری ۱۹۰۲ء کو رحلت فرمائے۔“ (۲۴)

سرشار کے ایک قریبی دوست پنڈت اشٹن نرائیں در سرشار کی وفات کے متعلق یوں بیان فرماتے ہیں ”(سرشار) اپنے گھر سے ہزاروں میل دور جیدر آباد میں، ۲ جنوری کو رحلت فرمائے۔ آخری وقت میں آپ تنہا تھے نہ کوئی دوست تھا جو ان کی موت پر آنسو بھاتا اور ان کی آخری آہ کو سنتا۔“ (۲۵)

پریم پال اشٹک سرشار کے ایک قریبی عزیز پنڈت اودت نرائیں در کے حوالے سے سن تاریخ دفات، ۲ جنوری ۱۹۰۲ء تحریر فرماتے ہیں۔ اس طرح مندرجہ بالاتینوں حضرات کے بیان کی روشنی میں چکست کا بتایا ہوا سن دفات، ۲۱ جنوری ۱۹۰۳ء قابلِ یقین نہیں ہے۔ چوں کتنیوں حضرات بھی سرشار کے

بہت قریبی ہیں۔ اس لیے صحیح سنِ دفات ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء ہی قرار پاتا ہے۔

## نشری تصانیف :

سرشار ایک کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف قابل ذکر ہیں۔

(الف) ناول

(۱) فائز آزاد — سرشار کا یہ شاہکار ناول دسمبر ۱۸۷۶ء سے دسمبر ۱۸۷۹ء تک ادھر اخبار میں ظرافت کے عنوان سے قسط دار شائع ہوتا رہا۔ ۱۸۸۴ء میں یہ پہلی بار مکمل کتابی شکل میں چار جلدیں میں نوں کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ یہ ایک مزاجیہ ناول ہے جس میں لکھنؤ کی اکھوکھلی نہنڈیب کا خاک اڑایا گیا ہے۔ خوجی اس ناول کا زندہ جادید کردار ہے۔ ناول کے ہیرد "میاں آزاد" ہیں۔ اور ان کا حسن آرا سے معاشقہ بھی خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر ناول کا سارا تنانا بانا خوجی کے ہی گرد گھومتا ہے۔ ناول کا اختتام میاں آزاد اور حسن آرا کی شادی پر ہوتا ہے۔

(۲) سیر کوہسار — یہ ناول بھی پہلے ادھر اخبار میں "فائز لطیف" کے عنوان سے قسط دار شائع ہوتا رہا۔ بعد میں ۱۸۹۱ء میں مطبع نوں کشور لکھنؤ سے کتابی شکل میں دو جلدیں میں شائع ہوا۔ اس ناول میں ایک نواب صاحب کی عیاشیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ نواب صاحب کو پہاڑوں کی سیر کرنے کی سوچتی ہے۔ اور اس نیچے قلن نامی ایک بدھلن اور باش قسم کی عورت کے چکر میں آ جاتے ہیں۔ قلن کی بہن نازو اور مہراج بلی کا معاشقہ بھی کافی مزاجیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ نواب کی بیگم ہندستانی عورت کی نمائندگی کرتی ہے جو اپنی اور خاندان کی عزت کی خاطر سب کچھ برداشت کر لیتی ہے۔ فائز آزاد کے مقابلے میں اس ناول کا پلاٹ کافی مربوط ہے۔ اس طرح یہ سرشار کا ایک بہترین ناول ہے۔

(۳) جام سرشار — سرشار کا یہ ناول بھی ادھر اخبار میں "فائز جلید" کے عنوان سے قسط دار شائع ہوتا رہا۔ بعد میں ۱۸۸۵ء میں پنڈت مادھو پرشاد کلکٹر اور ہنر نوں کشور کی سفارش پر اسے جام سرشار کے عنوان سے مرتب کیا اور یہ نوں کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس ناول میں ایک

نواب کی داستان ہے جس کو اس کے معاون نے نوشی اور آوارگی کی جانب مائل کر کے خوب بے وقوف بناتے ہیں۔ اور روپے اپنے ہیں۔ اس عیش پرستی اور بوالہوی کی وجہ سے نواب کی زندگی کا انعام بڑا غیر تناک ہوتا ہے۔

(۳) کامنی — یہ نادل سنہ ۱۸۹۴ء میں تصنیف ہوا اور سنہ ۱۸۹۵ء میں جیلی پر ٹنگ درکس لکھنؤ سے شائع ہوا اس نادل میں سرشار نے بین ذاتی شادی (Inter Caste Marriage) کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اور شادی کے پرانے رسوم درواج کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ اس میں فنی خصوصیات بروی طرح مجرد ہوئی ہیں۔

(۴) خمکدہ سرشار — سرشار کا یہ کوئی باقاعدہ نادل نہیں ہے۔ بلکہ پابنخ نادلٹ کا مجموعی نام ہے۔ جو جیلی پر ٹنگ درکس لکھنؤ سے سنہ ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ پابنخ نادلٹ ہیں۔ (۱) کلامِ دھرم جس میں کامنی کی طرح رٹا کیوں کے ان کی من پسند شادی کے حق کی حمایت کی گئی ہے۔ (۲) پچھڑی ہوئی دعہن۔ یہ نادل بھی شادی شدہ عورت سے متعلق ہے۔ (۳) پی کہاں — اسی سلسلے کی تیسری کڑی جس میں ایک شہزادی کے عشق کی داستان ہے جو اپنے محبوب کے ملنے کی حسرت میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے (۴) ہشو کا موضوع شراب نوشی اور اس سے پیدا ہونے والی برائیاں ہیں۔ (۵) طوفان بے نیزی میں دکھایا گیا ہے۔ کہ ایک جھوٹی افواہ کس طرح ہندو مسلم فساد برپا کر دیتی ہے۔ فسادیوں اور پولیس کی بھی اچھی خبر لی گئی ہے۔ فنی نقطہ نظر سے یہ سارے نادلٹ سرشار کے فن کے زوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۵) رنگے سیار — یہ کوئی باقاعدہ نادل یا نادلٹ نہیں بلکہ فساد آزاد سے ماخوذ ایک طویل افسا ہے۔ جسے پندرہ صفحات کے ایک کتابچے کی شکل میں سنہ ۱۹۰۴ء میں شائع کیا گیا۔

(۶) چینل نار — یہ نامکمل نادل سات اقسام میں دبدهب آصفی حیدر آباد دکن میں ۱۹۱۵ء میں شائع ہوتا رہا۔ یہ ایک کرداری نادل ہے جس میں چند رسین اور پاروٹی کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔

(۷) گور غریباں — اس نادل کا عنڈیر شار نے اپنے ایک خط میں دیا تھا جو تمہری پرکاش بابت ماہ مارچ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس خط کی مطابق یہ نادل پندرہ روز کے اندر ٹیکنے کا نکار نہ کر رہا تھا اور کسکا اور کسی نہ بھی کہیں منائے ہو گیا۔

## شعری تصانیف

سرشار ایک بادو ق شاعر تھے جو عبد الرؤوف عشرت کے مطابق ان کا دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ دیوان تو دستیاب نہ ہوا سکا۔ البتہ کچھ عزیزیں، قصائد، مشنیاں، رباعیات، تاریخی قطعات، متفرق اشعار جو دستیاب ہو گئے ہیں۔ انہیں درج کیا جاتا ہے۔ ان پر مختصر تبصرہ شاعری کے حوالے سے پچھلے اواراق میں کیا جا چکا ہے۔

## غزل

بتوں کے در پر سب کی جبکہ سائی ہوتی جاتی ہے  
انہیں کے قبضے میں ساری خدائی ہوتی جاتی ہے  
وہ چشم فلتہ ڈر سے دیکھ کر آئینہ رکھتے ہیں  
بہت اے شوخ بنتھ میں بے حیائی ہوتی جاتی ہے  
منا ہے آج گر دربان نے کل وہ بھی سن لیں گے  
مری باتوں کی اب ان تک رسائی ہوتی جاتی ہے  
اجھی ہے دصل پران سے جدائی ہوتی جاتی ہے  
شکایت پر کدوڑت کی دکھاتے ہیں وہ آئینہ  
اسٹارہ ہے کہ اب دل میں صفائی ہوتی جاتی ہے  
نہ میں آتش نہ میں سیما ب یار ب کیا سب اس کا  
جہاں تک دل ملاتا ہوں جدائی ہوتی جاتی ہے  
خدا جانے ہے یہ کیا بھید کیا ہوتا ہے اے کافر  
جدھر تو ہے ادھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے  
امید دصل کیا ہو عاشق ناکام کو اس سے  
مزاج یار میں اب پارسائی ہوتی جاتی ہے  
پھنسا کر زلف میں دل عمر بھر ان کی بلار کھے  
اسیری ہوتی جاتی ہے رہائی ہوتی جاتی ہے  
مخاطب ہوں کسی سے بزم میں وہ چوٹ ہے بھپر  
مرے ہی سامنے میری براہی ہوتی جاتی ہے  
یہ چرخ پیر دشمن ہے جو اے سرشار اعلاء کا  
مرے ہی سامنے میری براہی ہوتی جاتی ہے

---

یہ غزل گلدرستہ کیف جو کہ زیر ادات پنڈت شونا نظر چک مردم تحصیل اسلام کو نہ ادھر سے شائع ہوتا تھا  
ماہ نومبر ۱۹۷۴ء کے شمارے میں شائع ہوتی ہے۔

# غزل

حالِ زلفِ رسانہیں معلوم ابتدا ، انتہا نہیں معلوم  
 جن کو نشہ ہو بادشاہی کا اُن کو حالِ گد اسے نہیں معلوم  
 تالے ٹلکتی نہیں ہے ہجر کی رات ہے کہاں کی بلا نہیں معلوم  
 پیچ در تیخ دے رہے ہیں وہ گیسوؤں کی خطا نہیں معلوم  
 بھرِ عالم میں ہم میں مثلِ جباب اپنا بگڑا ، بنا نہیں معلوم  
 منہجِ پڑاتے ہو ہوش میں آؤ اپنا بگڑا ، بنا نہیں معلوم  
 ہجوم کر رہے ہیں کیوں واعظ ان کو اس کا مزا نہیں معلوم  
 خضرِ راہ کو حال خود اپنا صورت نقشِ پا نہیں معلوم  
 ہائے دل اپنا اُس پ آیا ہے جس کے گھر کا پتا نہیں معلوم  
 با سخف میں اس کے تیغ ہے سرشار آئے کس کی قضا نہیں معلوم

# تاریخِ چکنیں

قطعہ تاریخِ وفات پنڈت شونار آن بہار لکھنوی۔ ہر مصروع کے حدوفِ اول کے اعداد کے  
 مجموعہ سے تاریخ نکلتی ہے۔

ایے بہارِ گلشنِ علم وہنر	کیا یہی سخا خلی الفت کامثر
ہم سے کہہ کر خیسر بادِ دائمی	کس طرف را ہی ہوئے اے ذہنر
قااف سے تاقاف ہیں سب سینہ چاک	یاس دھرمیں ہے دلوں پر سر بسر
ہو خزان سے جب مبدل نوبہار	کیوں نہ ہوں سب مثلِ بلبل نوحہ گر

گل ہوا باغِ لیاقت کا چراغ  
ظلمت ہجراء سے ہے عالم سیاہ  
خاطرِ عالمگیں پہ چھایا ابرِ عنم

شو نارائن سے ہے جنت ۱۹۳۱ میں بہار

خلد کے خاصوں میں ہے وہ خاص تر

۱۲۹۱

اس تاریخِ وفات میں جہاں سوز و غمِ امد پڑتا ہے۔ وہاں شاعر نے اپنے شاعرِ دوست کے  
تخلص سے کس خوبی کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے۔ بھی لکھنؤ کا خامس انداز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

قطعہ تاریخ حسرت آیاتِ پنڈت ترجمہ جوں ناٹھ ہجرا۔

مرے برادرِ خوش فکر و بذله سنج و لئیق  
عیاں ہوا اسم اگر تر بھون سے ناہوتہ ملے  
جو خلق رکھتے تھے رکھتا ہے کب وہ کوئی خلیق  
ظرافت اُنکی بھتی لونڈی بلاعنت اُنکی کنیز  
دقيقة رس وہ طبیعت خدا نے دی بھتی انھیں  
عدد سے بھی نہیں رکھتے، دل میں کینہ بغضن  
نہیں تھا اُن کے سوا کوئی جو ہری سخن  
ڑلاتے ہستے ہوئے کو کلام میں وہ اثر  
کہے کلام کے اعجاز کو جو کوئی سمجھے  
ہزار سال اگر غوطہ مارتے حکما  
یہ معاشری باریک کے شناور رکھے  
سن وفاتِ دعا میہ کر فتم سرستار

## تاریخ وفات بہار

آئی خزانِ کمی بہار دیدہ تر ہے اشک بار  
 طاہرِ روح بے قرار بیلِ دل ہے دل بگا  
 کیوں ابھی حضرت بہار اے شفیقِ غمِ گار  
 جاؤ گے چھوڑ کر ہمیں کیا یہی ہم سے بھتا فرار  
 صبر ہو مجھ سے کیا بھلا کس سے کہوں میں یا خدا  
 موچ پہ ہے بہت میرا رنج والم کا چستہ سار  
 حوروں نے ناز سے کہا بارعِ ارم میں جا بجا  
 چلکے قدم کی خاک لو آئے ہمیں حضرت بہار  
 مرغِ سحر نے یوں کہا روئے الم سے بر ملا  
 آئی خزان یہ کیا ہوا کر گئی کوچ نوبہار

---

## تاریخ وفات پنڈت لمحبی نارائن درکیل

زدُنیا رفت فردن خاندان مُرد  
 دکیل نامور پُجھمی نارائن  
 دقار و افتخار دعزا و شا مُرد  
 قصنا کرد اعتبار دولت و علم  
 زفوت او دل اہل جہاں مُرد  
 شدہ بے جاں ہمہ نجاشی یتیماں  
 شفیقِ حال زار بے کساں مُرد  
 ثبات اندر غمش گر دید پیسر می  
 جو اس مرد دل بین عنفوں مُرد  
 کفن پوشید در غم معنی از لفظ  
 عجب باریک بیں و نکتہ داں مُرد  
 دکالت بازبانِ حال گوید  
 کفر یاد است دیریں مہرباں مُرد  
 چرا ہرگل نیا شد پیر ہن چاک  
 بگر ید تر زبانی تر زیاں رفت  
 بمالد خوش بیانی خوش بیاں مُرد  
 شدہ تاریخ با تقداد استفار  
 جو اس بخت دجوں دولت جو اس مُرد

---

تاریخ طبع کتاب تزکِ جرمی مصنفہ پنڈت شمسبر ناخ صاحب سپرد صابر  
 شاعر شیریں زبان صابر مجہز مقالہ شاعر شیریں زبان  
 بلل رنگیں بیان تمریز باع سخن بلل رنگیں بیان  
 داد سخن داد باب در تزکِ جرمی داد سخن داد باب  
 از شعرائے زمان گوئے فصاحت ربود از شعرائے زمان  
 ده چہ کلام لطیف ده چہ طرز بیان  
 آئینہ او آمده روشن زلف بتای  
 رشک سلبیل ہر سطر ش کھکشاں  
 سال ز تاریخ طبع گفت سروش بخواں  
 ده چہ طرز بیان ده چہ کلام لطیف  
 روشن زلف بتای آئینہ او آمده  
 ہر سطر ش کھکشاں رشک ده سلبیل  
 گفت سروشی بخواں سال ز تاریخ طبع  
 ۱۲۹۲ھ

### تاریخ دفات پنڈت راج نارائن صاحب تکو جیب

نیک شماں صورتِ زیبا سینہ خاطر جستجو  
 خلقِ عالم و ذہن رساد فہم بلیغ دیرت دل جو  
 ایسا بشر دیکھا نہ سنا اب ہو گا سہیں ثانی اسکا  
 مرنے سے جس کے دل میں اجئار کھتے ہیں ہیں رفو  
 دامن گل صدقہ اک المم ہے بلل نالاں آہ بلب ہے  
 شور قیامت فتنہ پاہے سرد پر قری کھتی ہے کو کو  
 اب یہ دعا ہے بازر ہے اس آمد رفت کن نیکون سے  
 خلد بیس ہو سکن اوس کا جائے فرشتہ پہلو پہلو

داع غبدل ہے ہاتھ غلبی سن کے میصرع حرث کا

حیف چلا دنیا سے بعزت پنڈت راج نارائن تکو

تاریخ مطبع بہار کشیر

بہ آپیاری رشماتِ فضلِ ربِ قدر بر  
 بہار تازہ کنوں یافت مطبع کشمیر  
 ز فرط عیش و فرح پر سخنور دانا  
 کلاہِ خویش بر انداختہ بچرخِ اشیر  
 خوش از مان طرب تو اماں کہ خخلِ مراد  
 بہ ابہتر از نیم مسرت است نفیر

جناب منشی پنڈت سری کشن تکرہ  
 رئیس ابن تریس دامیر ابن امیر تازہ  
 خلیق وزیر ک و علامہ وجیل  
 جلیل و صادق راسخ و کیل خوش تقریب  
 بنائے مطبع نو چوں نمود مستفکم  
 برائے اہل تکشیر ذریعہ تو قیر  
 ز جوش حب وطن اہل قوم سر کردند  
 بہ شا خار مجہت ترا نہ دل گیر  
 نمود بے سر اندازیتہ کلک من تحریر  
 چ خوش ز مہر مو اخاہ سال اجرالیش

### اشعار

گھٹا کالی کالی دھنک لال لال کھنپیا کی ابرد پ جیسے ٹھلل  
 گھٹا اور بھلی پ ہے آج چوت ہے آئی دو پڑے میں لچکے کی گوٹ  
 ہر مرض کی دو امفتر رہے مرضِ عشق لا دوا دیکھا  
 درد و عنم دیاس و حرمائی اک دل ہے ہزار آفتیں ہیں  
 گلستانِ عالم پ چھائی گھٹا وہ آئی وہ آئی وہ آئی گھٹا  
 سید ابر مغرب سے ایسا اھٹا میں سمجھا کہ کعبہ کا پردہ اھٹا  
 بتا سایتا دخت رز کا نشان کہے رنج فرقت سے ہونٹوں پچاں  
 یہ تفریق اور تفریقہ تا بھا کہیں رند ہیں اور کہیں مے کدھ  
 حسن پر اس پرمی کے کی جو نگاہ نظر آئی وہ شکل غیرہ ت ماہ  
 حسن دخوبی پ وہ بہت معزور سر سے پا بر نگ شعلہ نور  
 مست صباۓ عنزہ و انداز اسٹھتا جو بن شباب کا آغاز  
 کہاں تک یہ گردش یہ دورانِ سر سفر ہو گیا اب تو مشکل سفر  
 انکھڑیاں وہ لگا وٹ باز دل رہا بات کا نیا انداز  
 نشہ کے لال لال وہ ڈورے جس پ زگس کے پڑتے ہیں ڈورے

تاک میں بھی وہ نور کا ترٹ کا چشم زہر میں جس کی کھنکے سنی  
 اور گلے میں وہ نور کی بیکل دیکھ کر جس کو جالی ہو بیکل  
 کاندھوں پہ وہ روپا ممل کا فالسانی رنگ ہوا ہلکا  
 کرنی شبنم کی آستینیوں دار ملکجے تن پہ آس کے اور بہار  
 نشہ بادۂ شباب سے چور چال متان حسن پر معندر در  
 سیکڑوں بل کمر کو دیتی ہوتی جان طاؤس و لیک لیتی ہوتی  
 سید بخت و سید روزگار ہم بھی میں جوابِ زلف پر لشانِ یار ہم بھی میں  
 نصیب جائیں گے اک روز حضرت سرشار لپٹ کے سوتے گا وہ گلے گلے لگائے ہوئے  
 کیا قهر ہے کہ مفت میں بل تو قید ہو لکھیں جو کھپول توڑے اسے کچھ سزا نہ ہو  
 اُس بلیل اسیر کی حالت پہ روئیئے جو فصلِ گل میں بند، قفس سے رہانے ہو  
 کہتا نہیں ہے مجھ سے کبھی کچھ ادھر کا حال کم بخت دل انھیں سے کہیں مل گیا نہ ہو  
 کس دن شبِ نیم جان کو آفت نہیں ہوتی کب شام سے یاں صبحِ قیامت نہیں ہوتی  
 اللہ ہمیں عشق کے پھندے سے نکالے دم توڑتے ہیں قطعِ محبت نہیں ہوتی  
 الٰہی تجھے سوچھتی ہے اے نلکِ در سید ہمی کبھی تجھ سے مری قسمت نہیں ہوتی

## قطعات

دل ٹوٹ گیا سنتے ہی گفتار کسی کی سنتا ہی نہیں اب یہ مرا یار کسی کی  
 پلنے پہ جب آتے ہیں تو سچرنس نہیں کرتے مے خانے میں سنتے نہیں سرشار کسی کی  
 دل لگا کر اس پر می پیکر سے پچھتا نا ہوا جان کا دشمن ہماری، اپنا بیگنا ہوا  
 جھوٹ میں کہتا نہیں مجھ کو سلیمان کی قسم تیرے آتے ہی یہ ویرانہ پر نیا خانہ ہوا  
 مندرجہ بالا قطعہ میں شتر گربہ کا عیب ہے۔ مصرعہ دوم میں ہماری جان کا دشمن لکھا ہے

تو مصرعہ سوم میں جھوٹ نہیں کہنا کہا گیا ہے۔ نہ جانے سرشار سے یہ ہو کیسے ہو گیا۔  
کاوش خیر سے گلشن میں نڈڑاے بلبل! آخر اک دن تمرِ نخل وفا ملتا ہے  
کعبہ کیا دیر کے بھی لوگ نہیں بخواستے ملے۔ یہ تو نوبت ہوئی اب دیکھیے کیا ملتا ہے

## رباعیات

سرشار بیخ و نکتہ داں آتا ہے جنگ گاہ میں اک سیف زبان آتا ہے  
کہتے ہیں جسے ملک معانی کا وزیر وہ واصف شاہ دوجہاں آتا ہے  
مرح جناب ریش پیر آیا ہے وصافِ شرِ عرش و سرید آیا ہے  
خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار ہاں ذرا خاک کاشمیر آیا ہے

# مشنوی تخفہ سرشار

لختِ برادر دل گزرد ہر کہ ز پیشتم  
من قاش فروشِ دل صد پارہ خویشتم

آپسیرِ معان کدھر چھپا ہے  
رندوں کو جو تو کرے گا سرشار  
خوش رنگ خوشبو تیز چوکھی  
لیدھی د آئین جسے پے حور  
بوتل منھ سے مرے لگا دے  
کس کی رہی اور رہے گی کس کی  
دہ بادہ فرح بار پلوا  
زادہ کو بنائیں خوب اُتو  
رندوں کی گڑھ میں باندھ لے پند  
ایک بوند ہی پی نہ پی زیادہ  
جنت سے گئے میاں نکالے  
کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ  
دردہ دوسرے جام عاشقانہ

لندن کی پلا دو آتشہ مے  
ہن بر سے گا میکدے پر اے یار  
داتا پلوا شراب اچھو تی  
کوثر کی کھپتی نہیں ہے منتظر  
سر جوشِ شراب ناب لادے  
جنگل مینوں کو دے ہوتی کی  
دہ بادہ خوش گوار پلوا  
بدست ہوں پی کے ایک چلو  
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند  
لے منھ سے لگا لے جام بادہ  
بایا آدم تھے بھولے بھالے  
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ  
باں ساقی ارز ان مے شبانہ

اے بھار گلشن کشمیر و تذکرہ شعراء کشمیری پنڈتاں۔ مرتب: جناب پنڈت برج کشن  
کوں بے خبر اور جگموہن نا تھے وینہ شوق ص ۳۲۶ تا ۳۰۰ م -

۳۔ بھار کشمیر سرشار نمبر دسمبر ۱۹۴۲ء ص ۱۱ تا ۱۳

عنبروں سے ہے کیف مطلوب  
 میخانے کو کر دے تو بھی جل سخن  
 دکھلا دے آفتاہ ساقی  
 لاکھوں میں پیوں کھلے خزانے  
 بے مے ہے حرام زندگانی  
 مضمون سے مراد ماغ بھر دے  
 دریز ہو خامہ گھر سہ بار  
 تصنیف سخن درانِ مخدوم  
 شائع ہوئے ہیں بصد لطافت  
 دریا نہیں کار بند ساقی  
 ہر سمت سے مر جا کا ہو شور  
 مقبول جو ہند سے ہوتا روم  
 پڑھنے والا پھر ک پھر ک جائے  
 طو طی بھی سنے تو جھینپ جائے  
 جنت پہنچے کلام میرا  
 شاباش کہیں نسیم مبڑو  
 دریا کرے اُس پہ در فشا نی  
 احسن کہیں جناب حشمت  
 ذی جودت و خوش بیان سخنور  
 بے ساختہ کہہ اسکھیں اہا، ہا  
 دل ڈلن کہیں اس کو پڑھے دا بخو

اکشنا ہے مجھے بہت ہی مرغوب  
 گھنگھوڑ گھرا ہے آج بادل  
 بر سادے شرابِ ناب ساقی  
 فتوے کا شی کا کون مانے  
 رم جھم یہ برس رہا ہے پانی  
 وہ جام پلاک مست کر دے  
 سرخوش ہو کر لکھوں کچھ اشغال  
 سہر چند کہیں کلام منظوم  
 کیفی، غمخوار، ابھر، حشمت  
 پر بھر سخن سدا ہے باقی  
 یارب وہ مرے قلم کو دے زور  
 مجھ جائے مرے کلام کی دھوم  
 جامِ مضمون چھلک چھلک جائے  
 یوں بلبلِ خامہ چھپاۓ  
 ہو خلد بمریں میں نام میرا  
 سن پائے تو آفریں کہے طور  
 ہو جس سخن کی یہ روائی  
 پاؤں یہ سخن دروں میں عظمت  
 مشتاق ادیب نکتہ پرور  
 دیکھیں جو یہ حورِ ماہ سیما  
 ڈھونڈے سے نہ پائے کوئی ٹاپوڑ

دہ اخترِ بُرُوجِ قابلیت  
 دیں ہجرِ دعا کہ تم پرمی ہو  
 خلائقِ کلامِ عاشقانہ  
 بلیل ہوں ہزار جان سے یاس  
 سجانِ اللہ کیا سخن ہے  
 قربان طلائے دستِ افتخار  
 تعریف کریں کہ داہ سرشار  
 تو بھرِ علوم و موج و ماهی  
 عنم خوار یہ کہہ اکٹھے سردست  
 کیا طرزِ بیان ہے بارک اللہ  
 سنتے اسِ مشنوی کا مطلب  
 ذی جودت و خوش بیان و تحریر  
 سجانِ جہاں پر خوش کلامی  
 حلال، غوا منض و دقات  
 محسود زمانہ روم تاشام  
 جادوگرِ بابل - معانی  
 یعنی اعزازِ ہند و کشمیر  
 نیشن کی بیلین کا جسر نیل  
 یعنی پنڈت بشن نراٹن  
 مصادقِ تھی طبع اُس سخن کی  
 می تافت ستارہ بلندی

دہ گوہرِ درجِ قابلیت  
 چوتھی کی دلہن یہ مشنوی ہو  
 دہ بھر سخن دریگانہ  
 ہو یہ گلِ مشنوی کی بو باس  
 شاکر کہیں دہ کیا سخن ہے  
 صدقے اس پر سے سیم و دینار  
 مسردِ فصیح نفرز گفتار  
 درملک سخن سخن پناہی  
 کیفی ہو شرابِ شعر سے مست  
 کیا لطفِ زرباں ہے داہ داہ  
 اطنابِ محل کو چھوڑ کر اب  
 اک محسنِ قومِ فخرِ کشمیر  
 غیرتِ دہ انوری و جمامی  
 ہم عصر و میں سب سے بڑھ کے لائق  
 جودت کا نہنگ بھر آشام  
 فردوسی طوس نکتہ دانی  
 سرمایہ ناز و ہند و کشمیر  
 نو عمر و میں کی فوج کادہ سرخیل  
 لاتی و فاقہ ذکی و پُر فن  
 پچپن ہی سے تیز تھے بشن جی  
 بالائے سرشِ زہوشِ مندی

سخنی فنکر علوم کی ہو تکمیل  
 لندن جانے کی دل میں ٹھانی  
 پڑے، بستر، کتاب، پکوان  
 جاتا ہوں ذرا اللہ آباد  
 ہمسر اہم تھے عالم یگانہ  
 ہر سلم میں یادگار یورپ  
 فاصل فرزانہ گال صاحب  
 دو اک دن میں یہ بات پھوٹی  
 جس طرح افتخار سے شاہ خاور  
 اپنے اپنوں کی سب کو سخنی فنکر  
 خود جاؤ، اجورہ دار بھیجو  
 ہو جائیں گے سب کے لڑکے خیرہ  
 ہے سب یہ اکھیں کی عنایت  
 گرداب بلا میں اب دھرم ہے  
 اولاد حضور شاہ رشیق  
 اور جا کے رہیں ملکشی کے دیں  
 نوچیں گے اب اپنی بوٹیاں،  
 کہتا تھا کوئی میں لوں گا سنیاں  
 باقی نہ دھرم رہا کسی میں  
 مرجائیں گے اور دھرم نہ دیں گے  
 پھر ڈی پکنے لگی سخنی ان میں

سخنی فنکر سے شوقِ تحریک  
 جب نامِ حندا ہوئی جوانی  
 لے کر کچھ مختصر سامان  
 رخصت ہوئے کہہ کے بادشاہ  
 لندن ہوتے والے سے یہ روادہ  
 سائنس میں افتخار یورپ  
 مشہور زمانہ گال صاحب  
 پہلے نہ کسی کو کچھ خبر سخنی  
 مشرق سے رواد ہوئے لشمن در  
 گھر گھر یہی شور تھا یہی ذکر  
 کہتا تھا کوئی کہ تار بھیجو  
 ہے ہے جو یہی رہا تو یہ  
 کل جگ کو خدار کھے سلامت  
 کہتا تھا کوئی یہ کیا ستم ہے  
 ہم لوگ برہناں کشیمیر  
 بد لیں عیاسیوں کا سا بھیس  
 بھاگیں تو کہاں رہیں کہاں سم  
 کہتا تھا کوئی دھرم ہوانا س  
 کھاؤں گا نہ اب برادری میں  
 ثابت قدم اس میں ہم رہیں گے  
 بھنداری بھی سخنے اُدھیر بن میں

لندن گو مت چھو منصف و نشر  
 سوری چھے لکٹ بہا تمس یار  
 اڈ سائٹ گسن تو اڈ گسن آڈ  
 لندن اند رچھا شاء وا پیٹ  
 بیڈال لندن نہ جاؤ زنہار  
 بچے ہو تھیں خبیر نہیں بے  
 رو کے سے ڑکے میں کب جوان مرد  
 سیدھا پہنچا وہ لندن پاک  
 جھگڑا کیا یاں دھرم سجھا میں  
 لڑکے، نو عمر، شیخ اور شاب  
 کچھ فکر دھرم کی چاہیئے اب  
 ڈوبی ڈوبی بچاؤ ڈوبی  
 اب تو ہی سمارا ناخدا ہے  
 مہماں ہے کوئی دم کی کشتی  
 ہے لکھنؤ والوں کی دیاںی  
 طے یوں ہوئی بات آخر کار  
 لندن جانے کے سختے جو سہراز  
 نکلا املی کی جرڑ سے بادام  
 اور زید کے عوض چڑھے دار

کہتے سمجھے پہ لہجہ تکشیر  
 بدھ چھے ہر ہر کران بے کار  
 بیگڑا رہا نیں کا جو یوں ماٹھ  
 باہم وہ لگے اڑانے یہ زیست  
 بھیجا گیا اُن کے نام اک تار  
 خالہ جی کا وہ گھر نہیں ہے  
 سنتا کس کی سختا وہ جہاں گرد  
 سختا بس کر بہت ہی چست و چالاک  
 لندن میں لگے وہ دندنانے  
 اک روز بلا کے چند اجباب  
 باہم لگے کرنے مشورہ سب  
 ڈوبی ڈوبی یہ ناؤ ڈوبی  
 جز تیرے کون یا خدا ہے  
 پتار ہی ہے دھرم کی کشتی  
 منجد حار میں پڑ گئے میں بھانی  
 پہلے تو رہی بہت سی تکرا ر  
 خارج ہو لا پران ناٹھ بزار  
 گو لڑکے درخت میں پھلے آم  
 خالد کو تو جھرم سے ہوا قرار

لہ بہار گلشن کشمیر کے ص بھم پر شuras طرح ہے۔ لند میں لگے وہ دندنانے،  
 جھگڑا کیا یاں دھرم سجھا میں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھیں بند چھپلے مضرع ثانی  
 جھگڑا کیا یاں دھرم سجھا نے، ہنزا چاہیے کیوں کہ قافیہ دندنا اور سجھا ہے اور  
 نے، ردیف ہے۔

ماروں گھٹنا تو آنکھ پھوٹے  
 باہم پھر ہو گئی صفائی  
 لا بادہ اگر ہوں سم میں باقی  
 مشکل کے میں لاشتاب شیری  
 یارو یہ نویدِ دل کشا ہے  
 فرحت انگیز ہے یہ مژده  
 طے رات ہوئی مفارقت کی  
 بلکا بلکا سپیدہِ صحیح  
 نور ہے جلوہ گرفلک پر  
 اور نغمہ زندگی وہ بلبلوں کی  
 اے مردِ حند بخواب تاکے  
 بے می سب کر کر امزاء ہے  
 انھوں جاؤ سحمدہ ہوئی یار  
 عنٹ پر یوں کے زنان خانے  
 چوں برہمان پہ بید خوانی  
 شہنماں مزہ دکھا رہی ہے  
 یکا دن یہ دکھاتے ہیں خدا نے  
 واپس آئے لشناں نزاں  
 شہرتِ اُن سے سوا تھی کن کی  
 اپیچے وہاں بھی جا کے اک دی  
 روشن کیا وہاں بھی قوم کا نام

سر پر بردٹے چوت پاؤں ٹوٹے  
 کچھ دن رہی گل خپ اور لڑائی  
 بچھڑے ہوتے پھر ملے میں ساقی  
 بوتل سے نہ ہو گی میری سیری  
 یارو یہ نویدِ جانفزا ہے  
 بہبخت انگیز ہے یہ مژده  
 یعنی اجباب نے خبرِ دمی  
 جھٹکا جھٹکا سپیدہِ صحیح  
 تارے چھینتے ہیں جھٹکا لار  
 بھٹکنی بھٹکنی مہک گلوں کی  
 اے ساقیِ نمہ لقا بدھے  
 وقتِ حمر اور خنک ہوا ہے  
 ایک چلوکے دینے میں تکرار  
 دریا کی طرف چلے نہانے  
 مرغابِ چمن پہ نکتہ دانی  
 نوبتِ رنگت جمار ہی ہے  
 بجھتے ہیں خوشی کے شادیاں  
 رہ کر دو تین سال لندن  
 لندن میں پنجی سمجھی دھومِ حجن کی  
 جھنڈے گاڑی لی فرانس میں بھی  
 لندن میں ہوا جو جلسہِ عام

علامہ عصر علم گستہ  
 شاہنشہ ملک خوش بیانی  
 تقریر کو جب اچھے پس دش  
 مشتاق تھے سب کو کچھ سنائیں  
 جھوٹ نے لگے پھول ان کے منھ سے  
 ساری محفل میں جسم گیا رنگ  
 ہر سمت سدا ہر سر سر کی  
 ایک شیر ٹیاں تو ہما مسٹ گویا  
 احسنت احسنت بارک اللہ  
 اور دم بھرتے تھے ڈیوک کیناٹ  
 پڑھنے کا خیال آتا ہے تن  
 کر لی بیر سڑی کی تکمیل  
 شہزادوں تک ان کی کھی رسائی  
 خدمت میں ہر اک کہیں مہیں کی  
 کرتا ہے یہ عرض دست بستہ  
 سب لکھے پڑھے ہو چشم بد دور  
 بے دھرم کے بھی توراز داں ہو  
 کٹ لیٹ، دہکی، پودنگ اڑانا  
 کہنا گالوں پہ پھیر کر ہا ستر  
 میں صد قے مجھے بناد داک پان  
 ہے خوب مزے کا پان جانی

سمجھے جمع ہزار ہا خرد در  
 سب مہ سپر نکتہ دانی  
 بیٹھے رہے پہلے یہ بھی خاموش  
 بڑھ کے جودت نے لیں بلائیں  
 اسکے کر ہوتے گلفشاں وہ ایسے  
 دکھائے آرمیٹری کے وہ دھنگ  
 آوان چیز نہ گونج اسکی  
 اک پیل دماں سعامت گویا  
 کہتے تھے یہ سامعین ذی جاہ  
 عش عش کرتے تھے ڈیوک کیناٹ  
 جب تک یہ رہے مقیم لندن  
 دل سے کیے سب علوم تحصیل  
 نیکی سے رہے بہ صد صفائی  
 خدمت میں برادرانِ دیں کی  
 سرشار نیاز کیش و حسنة  
 لہڈ نفاق کو کرو دور  
 ماتا کے دھرم کے پاس باہ ہو  
 چھپ چھپ کے وہ ہو ٹلوں ہانا  
 اور رنڈیوں کا وہ میل وہ ساتھ  
 گورے ہاتھوں سے بی علی جان  
 بے خوف گلوری لے کے کھانی

ہندو مُدے کیا جانے پاں کھانا  
 کل آیا جو سکھا مو اُننا رام  
 نوبت کا نگور ڈا جسے دھونا  
 سُم سے نہ دھرم کی لو بہت اب  
 بھنگن ہو بغل میں لب پہ ہو پاٹ  
 دھونڈھا اچھا یہ سہل لڑکا  
 کیوں کتنی کھی ہے باختہ لانا  
 شب کو بیڑن سے دہ کرم ہو  
 یانا زو کر شہ د خم د حم  
 سہستی، کھتی ہوتی آتا البرق  
 ابھرا سینہ کھجوری چوٹی  
 نسرین تر د نترین بناؤ کوش  
 شیریں حرکات اور پریزاد  
 پیاری پیاری کچیں د کھاتی  
 جو کچھ کہوں مان لو میں قربان  
 گوشے کا مقام ہو کا عالم  
 اٹھیں ہیں کھٹا یئں کالی کالی  
 جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ  
 تسلیم جناب د قبلہ من  
 یہ بادہ یہ نقل یہ پریزاد  
 ہاں اور سمجھی ایک جام قبلہ

اور اس کا ہنس کے یہ سنا  
 با جی اماں ہے اس کا کیانا م  
 بعد بعد پھولی کھجوری ایسا  
 یہ دیکھی ہوتی ہیں صحیں سب  
 دھونن کے اترنا پر ملا گھاٹ  
 کھشکن سے سہیں دھرم کا کھٹکا  
 نٹنی کو پلنگ پر ملا نا  
 ترڈ کے شکلام بر دھرم ہو  
 کیوں قیلہ اگر کوتی پری جھیم  
 بحر خوبی زپائے تافر ق  
 پھر کاتی ہوتی دہ بوٹی بوٹی  
 پر کالہ آتش دستم کوش  
 غیرت دہ گل رخان نوشاد  
 پازیب کو خوب چھم چھماتی  
 پیٹا کے گلے کہے میری جان  
 دنیا سے الگ تھلگ ہیں تم ہم  
 پی لویہ شراب پر تگا لی  
 ادھرم ہو دھرم ہو پن ہو یا پاپ  
 اور میں سمجھی کہوں اٹھا کے چمن  
 یہ عمر یہن یہ شور مر جاد  
 بڑھ بھس بے اسی کا نام قبلہ

کہیے وہ دھرم کہاں ہے ہمارا ج  
 مارے غصہ کے ہاتھ کا نپیں  
 کس کا دھرم اور کہاں کامراجار  
 پھر کس کس کی پرائشچت ہو  
 دروازے گھر کے بند کر کے  
 ممبر ہمیں ہم دھرم سبھا کے  
 معلوم ہے آپ کا یہاں ہیں  
 اور کھاپی کر ہوا بتا نا  
 میری طرف اک نظر تو دیکھو  
 جب آپ گئے ..... اللہ آباد  
 اب پلٹی یہاں یہ آکے کا یا  
 ہم نے بھی پتے کی کہہ سنا نئی  
 اچھے بگلا بھگت بنے آپ  
 ڈنڈوت ہزار بار ڈنڈوت  
 اور پڑھ کے تو ستارت آئے  
 بریسر کا گناہ کیا ہے  
 چھو پنڈ توں نے یہ اُسیں لکھا  
 کٹ جائیں یہ سارے آپ کے پاپ  
 موہن کشن اپنے ساتھ لائے  
 کی جملہ برادری کی دعوت  
 پیارے لعل اور جانکی نائخ

آئی نہ حضور کو ذرا لاج  
 اور جھینپ کے آپ منہ کو ڈھانپیں  
 یہ سب ہے ڈھکو سلا رہے یاد  
 جب قوم کی قوم ہی پتت ہو  
 سب کھاتے ہیں ایک جا پہ بیٹھے  
 تم لا کھ کھو یہ عُنْلِ مجا کے  
 یہ ساری اڑان گھائیاں ہیں  
 چکے سے ہمارے ساتھ کھا نا  
 مرد تکو آدھر تو دیکھو  
 کیوں بندہ نواز وہ بھی ہے یاد  
 اور بیٹھ کے میرے ساتھ کھایا  
 سچ کھنا کیسی منہ کی کھانی  
 شدھ ہو گئے کر کے ڈیر ڈھ سو جا پ  
 بس بایاں قدم لے یار ڈنڈوت  
 یہ تو کوئی ہمیں بتائے  
 اخراج پتت کی راہ کیا ہے  
 آیا کشمیر سے بُوستھا  
 اس طرف پرائشچت کریں آپ  
 فتوے پونا سے بھی منگائے  
 جب خیر سے ہو چکی پر اچھت  
 مل کے بیٹھے شر کیں اک ساتھ

کو چکت درجِ خرد کا وہ دُر  
 رفتہ رفتہ جتنا بڑھایا  
 بلوایا انھیں اودھ پوری میں  
 لکومل وہ رمیس پنجاب  
 اور اہلِ اودھ کے مایہ ناز  
 خوش خوش بھدا فتحار بھیجا  
 ہو جیسے دہن نئی نویلی  
 سجوادیا اپنا جو بلی روم  
 گولے دغنا لگے دنادن  
 ہو کر بڑھ آگے با تھسل  
 تعظیم کو آٹھ کھڑے ہوئے سب  
 بگرات بیٹھی گارہی تھیں  
 لندن سے بلسٹر آئے ہیں بن  
 بھر بھر جبوری اسری پھان لائیں  
 ساٹھ اُن کے ہر اک کو کھلایا  
 خارج کس کس کو کچھی گا  
 شاباش بہادرانِ پنجاب  
 مشہور جہاں سری مہاراج  
 خود کہتے ہیں شدھ ہوئے لشنا در  
 کاشتی سے نہیں ہیں سرد کار  
 مرجادِ اسی کا نام ہے داہ

ہر دے نارائن اور بہت ادر  
 اکے دمکتے نے پہلے کھایا  
 دو کھت پوس نے اسی خوشی میں  
 کشیر کے پنڈ توں کے احباب  
 گوکل چند اک دکیلِ ممتاز  
 مل کے دونوں نے تار بھیجا  
 وہ گوکل چند کی حوصلی  
 آمد کی خبر ہوئی جو معلوم  
 جب پہنچے وہاں بشن نراں  
 بارانِ گلاب دیارِ شیر گھل  
 داخلِ محفل میں یہ ہوئے جب  
 سچی تائیں بھاڑی تھیں  
 جگ جگ جیوں بشن نراں  
 کھر بیٹھے بہت سے مکدمے پائیں  
 سونہ داؤں نے سمجھا میں کھایا  
 کس کس کو نکال دیجئے گا  
 لاہور کے مل گئے پھر احباب  
 کشیر کے پنڈ توں کے سرتاج  
 دانتہ شاستر و مودھر  
 پھر کا ہے کی ہے عبث یہ تکرار  
 کشیر کے حکم سے یہ اکراہ

اور آپ کے باپ کا دطن ہے  
 پھر آپ کو اس میں کیا ہے کھٹکا  
 ہیں متفق ان سے تین حکام  
 لندن میں رہے بقدرِ مذہب  
 مجھلی کے کباب خود پکائے  
 طار و صیبح شوخ ، پُر فن  
 ہر رنگ میں شان ناز نہیں  
 باتوں میں منہد سے پھول جھڑتے  
 مجھلی کے کباب اُسے کھلاتے  
 لیکن مرچوں کی بھی تھی بھر مار  
 بولی جھلاکے اُف ڈیزِ می  
 بھر دی انگلینڈ کھبر کی مرچیں  
 جانی نانی نے کیا بلا دی  
 لہر جسم کرد حندا را  
 پھیلایا ہائے کیوں دھرم کا جال  
 مسلمون چھپنے لگے دھماہیم  
 اچھی روشن آپ نے نکالی  
 سب ہو گئے ایک دم سے خیرہ  
 خم بھٹونک کے لڑنے پر میں تیار  
 بانکوں کی گلی میں اب ن آنا  
 ایسی تیسی فرشتہ خاں کی

کشمیر تو آپ کا دطن ہے  
 آیا تو دہلی سے ہے بوستھا  
 لکھتے ہیں حلف سے اہلِ اسلام  
 ہندو بھی وہاں کے کہتے ہیں سب  
 ایک دن فش مار کیٹ سے لائے  
 رہتی تھی قریب ایک فرنگن  
 ہربات میں سحمدہ آفریں  
 چلتی تو ز میں میں سر و گرڈتے  
 اُس برق جمال کو بھی لائے  
 کپے تھے کباب گو مزیدار  
 کی مراچ نے کھاتے ہی جو گرمی  
 باجی جو دا س قدر کی مرچیں  
 چل دور میسری زبان جبلادی  
 اب بات بڑھاؤ مدت زیادہ  
 دیکھو تو قوم کا ہے کیا حال  
 اس درجہ بڑھا نفاق باہم  
 دینے لگے بھائیوں کو گالی  
 رکوں نے جو دیکھا یہ و تیرہ  
 دھرمی اور ادھرمی سب سے تکرار  
 ڈبلے پتلوں کو یوں ڈرانا  
 بڑھ کر یہ زملکس نے ہانکی

ڈنر پیل میں ، پہلوان میں ہم  
 بدھو خاں کو زمین دکھا دیں  
 بھروس پہ اُسے چڑھا رہا ہے  
 ڈنر مل دیں تمہارے آؤ آکا  
 وخت کیسی دھرم سبھا کی آرائی  
 خواری پ تلا ہوا ہمہ تن  
 قربان ایسی دھرم سبھا کے  
 ماشاء اللہ کیا سبھا ہے  
 ہڑبونگ مجاہے قوم بھر میں  
 لیتا ڈگی کی نوبت آئی  
 اخراج کا در کھلا ہوا ہے  
 مرجاد میں ہونے کوئی حارج  
 جو بولے وہ راستہ وہ بتائے  
 دیانا نو سی خیال دائلے  
 بتلائیں گھن کو راہ اور کیست  
 منطق نہ بہت جناب چھا نئیں  
 ہر اک کی قبا میں دستہ جہل  
 کل جگ میں دھرم بچانے والوں  
 یورپ علم دہنرا کا گھر ہے  
 فریاد ہے ہندو دہانی  
 شاگرد تھے ہند کے جنزوں کل

بنو ٹیئے ہیں اور جوان میں ہم  
 شیدھی امندھور کو لڑا دیں  
 ایک ایک کا دل بڑھا رہا ہے  
 خوب اب کے اڑایا تم نے خاکا  
 کچھ غور کرو تو دل میں بھائی  
 ایک ایک کا بن رہا ہے دشمن  
 بھولے ہیں اصول سب وفا کے  
 ہنگامہ حشر اک پا ہے  
 چڑھا ہے یہی ہر ایک گھر میں  
 یگت اُس سچھوت نے بنائی  
 شر پر ہر ایک تلا ہوا ہے  
 یہ خارج ہو وہ بھی خارج  
 سمجھائے جو گالیاں وہ کھاتے  
 ... میں ہمارے بھولے بھالے  
 ڈھونڈیں قصبوں میں اون کے کھیت  
 چھینکے جو کوئی تو ناک کا میں  
 عاری ہیں خرد سے اہل دنا اہل  
 مرجاد کا غل پچانے والوں  
 دنیا کی بھی کچھ تھیں خبر ہے  
 اب ہند میں کیا رہا ہے بھائی  
 مصری اسی باعث کے سچے اک گل

اک بونداںی ایاغ کے سخے  
 طفل مکتب سخے اہل یوناں  
 سب کرتے سخے زانوِ ادب تھے  
 اس کشتنی کے ناخدا سخے ہندی  
 ہومر کا بھی جسم سکان پکھ رنگ  
 سبحان اللہ وال میں کی  
 سرمایہ ناز آفسرینش  
 مقبول زماں کتاب اس کی  
 یونانی جیب میں پڑے سخے  
 تشخیص کے بھی خدا سخے ہندی  
 دیکھئے وہ فلسفہ کپیل کا  
 جو کچھ سیکھا تھا سب وہ کھویا  
 بے کار دھرم کی ہے یہ بک بک  
 مور کوہ دھرم ماتا بنے ہیں  
 کیا کہتا ہے قوم کا خر دودھ  
 تحقیق مل کا بکہ موّاج  
 سرمایہ افتخارِ کشمیر  
 وہ ما شطہ نگار ادرائی  
 وہ کشتہ قوم وہ فردائی  
 ما دھو پرشاد چک لقب ہے  
 بالوں کی گڑھی دھرم سجھا ہے

اک بچوں اسی چراغ کے سخے  
 سفر اطے سے لے کے تا پل قان  
 آگے اُس کے زیں سے تامہ  
 کبتانی کے بھی خدا سخے ہندی  
 راماں میں دکھاتے وہ ڈھنگ  
 رنگت ملٹن کی بھی ہے پیسکی  
 کالیداں آں خدا تے بیتش  
 مشہورِ جہاں کتاب اُس کی  
 جھنڈے بیدک میں بھی گڑے سخے  
 تشریع کے بادشاہ سخے ہندی  
 دعویٰ جس کو ہے ہو جان مل کا  
 وہ علم و فضل اب ڈبو یا  
 پڑھ سکتے نہیں ناگری تک  
 گمراہ بھی رہنا بنتے ہیں  
 کچھ یہ بھی خبہ ہے اے برادر  
 وہ فنِ علوم ہند کا تاج  
 ہمت میں جواں تو عقل میں پیر  
 وہ غازہ کش عندار ادرائی  
 انشاں جیں بیسہ یا نی  
 عالمی نسب اور خوش حسب ہے  
 کہتا ہے یہ فتنہ کیا بپا ہے

اور گیانی ہو اپنے کو بتاتے  
چورن والوں کی جیسے بانی  
اس کچھ روشن کی راہ چھوڑو  
پتھر کی لکیر ہے یہ بیٹک  
سبحان اللہ کیا کہا ہے  
ماشاء اللہ حنا ن آباد  
کیا خوب لکھا ہے صلح نامہ  
لازم تھی بلکہ پردہ پوشی  
اک دم سے سبھانے دھر دبوچا  
ایک ایک کی کر رہا ہے خواری  
اربابِ صفا سے ہے یہ خواہش  
ہے راگ کو جیسے میلے سے  
کلتے ہندو گئے اور آئے  
شتر اشتی ہیں اب بھی موجود  
کھنَا، سری باستم، منوجا  
دو بے چوبے چھت اگروال  
کرتار کشن اور بشن نرائن  
پڑھتے ہیں مزے سے جا کے لندن  
کوئی برہم سماج کا ہے

ہو پرست پ سخن کی آتے  
جموئی ہے تجارتی سب کہانی  
نساینت کی باغِ مورڈ  
سچا ہے یہ قول حضرت چکت  
بابو کی گڑھی دھرم سبھا ہے  
کچھ ہجر کا بھی کلام ہے یاد  
حشمت نے دکھایا زورِ خامہ  
واجب نہ تھی اس میں گرم جوشی  
انجام کو ایک نے یہ سوچا  
نہذب و حیا سے ہو کے عاری  
اصحابِ سبھا سے ہے یہ خواہش  
اصلاح میں متفق ہو ایسے  
ہاں یہ تو دھرم سبھا بتاتے  
لندن میں نہیں ہندو مفتود  
ہر فرقے کے ہیں جمع یک جا  
پنجابی ناگر اہل بنگال  
کشمیریوں کے بھی دو مہتن  
کاشمی کے بڑے بڑے برہمن  
مبہر کوئی تو لاج کا ہے  
لہ پنڈت اومان شنکر جی سرور یا برہمن کاشنی نواسی اور لکشمی شنکر جی مصہر کے رڑکے  
کاشنی سے لندن گئے ہیں۔

کھنڈن کرتے ہیں مورتی کی  
کو سُھو قمی نے گورمکھ دیا حقا  
کس کس سے دھرم پکائیں کے آپ  
بے کار فضول ہے یہ سب جنگ  
کہتا ہے غریب بات معقول  
اور لبرل پارٹی کے افسر  
بھڑکی ہوئی آگ کو بھائیں  
پندار سے گتھیاں پڑھیں ہیں  
ہوں باہدہ اتفاق سے چور

کچھ لوگ بنے ہیں آریا بھی  
منتر میدم کا بھی لیا سنا  
کس کس کو پتت بتائیں گے آپ  
دنیا کا بھی دیکھتے ہو کچھ ہونگ  
سرشار کی التجا ہو مقبول  
ہیں جتنے دھرم سجھا کے ممبر  
اب قوم پر اپنی رسم کھائیں  
انسان کی منزہ لیں کڑی ہیں  
جو لوگ نفاق سے ہیں مخمور  
بس کف سرشار خستہ بس کف  
اے سوختہ صبیط ایں نفس کف

---

# قصیدہ طوفان سرشار

پنڈت رتن ناٹھ سرشار نے قصیدہ طوفان سرشار ۱۸۹۳ء لکھنؤ میں منعقد کشمیری پنڈتوں کی ایک کانفرنس میں پڑھا تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

## درباعیات ابتدائی

مدح جناب رشیز آتا ہے	دفتارِ شیر عرش سرید آتا ہے
خورشید کی آنکھ کیوں نہ جھپکے سرشار	ہاں ذرا خاک کا شمیر آتا ہے

## دو م

سرشار بلین و نکتہ داں آتا ہے	جنگاہ میں اک سیفِ زبان آتا ہے
کہتے ہیں جسے ملکِ معانی کا وزیر	وہ واسفِ شاہِ دو جہاں آتا ہے

---

اٹھا ہمالیہ پربت سے ابر گوہر بار  
ہے جس سے گلشن قومی پر آج طرف بہار  
و فور شوق سے گلہائے نز کے بندھنوا ر  
جناب شیخ نے بھی رہن رکھی ہے دستار  
پسند آئی کچھ ایسی ہے صحبتِ خمار  
جو دل نے دیکھا تو مجھ سے کہا کہ اے سرشار  
اٹھائے خامد گوہر نشان عنبر بار  
خندڑ آمل دنو شاد و خلن و فرخار  
کریں گے حاجبِ نعاف اس سے کب انکار

پھلیں گے کھولیں گے گلزارِ قوم کے شبار  
ادھر بھی پڑ گیا اک دونگڑا اسی مینہ کا  
بنائے مالنوں نے پیارے پیارے ہاتھوں سے  
زبان پفتی کے ہاتھ صبوج کی ہے صدا  
پڑا ہی رہتا ہے بھٹی میں رات دن قاضی  
یہ دھوم دھام یہ لطف اور حشیں کا سامان  
یہی ہے وقت تیری طبع آزمائی کا  
گڑے ہیں تیری لیاقت کے دریک جھنڈے  
نظیر ہی نہیں رکھتا آئے اپنے فن میں کوئی

بیان کے تیرے مشتاق سب صغار و کبار  
 طبیعت ایسی ملی شوخ جیسے چنپل نار  
 نول کستور نے پیدا کیے پچاس ہزار  
 یہ لئے ترا نہیں داقعات میں سر کار  
 نہیں جواب تراہند میں کوئی زنبھار  
 زمانہ بھر میں ہے مشہور تخفہ مرثار  
 کرے جوستے میں بنے تاب مرغ بعمل دار  
 پرانے لوگ دہاں کے تیرے بیان پہ نثار  
 کہاں شکا گو؟ کہاں لکھنؤ؟ سمندر پار  
 کہ تو نے قدر ن کچھ جانی اپنی، خود زنبھار  
 اب ایک قطرہ ہے تھا پہلے قلام زغار  
 نہ میں وہ شاہد مصنفوں کے بھیوں سے رخسار  
 رہے کہاں سے ہر اک شہ کی حدیہ آخر کار  
 ہر اک چیز کو اک حد خاص ہے درکار  
 قبولِ زر میں نہ ہوتا اگر تجھے انکار  
 ابھی تملک ہے ترا قدر داں ہزار ہزار  
 کمی ہزار طبق ہوں زر و درم کے نثار  
 کہیں کہ لڑیوں میں موئی پروئے ہیں مرثار  
 تو خوابِ غفلت دیندار سے ہوا بیدار  
 کہ چھار ہا ہے نخوست کا ابر تیرہ دثار  
 نصیب ان کی زیارت نہ ہو گی اب زنبھار

کلام کے تیرے مذاج سب بڑے چھوٹے  
 زبان وہ پانی کر بے نطق سیکھ دوں بوسے  
 وہی ہے تو کہ ترے فیضِ خوش بیانی سے  
 یقین ن آئے تو پڑھ لوفانہ آزاد  
 سخن کا مثل نہیں ہے قسم ہے قرائ کی  
 تو نثر کا ہے شہنشاہ نظم کا سلطان  
 لکھی پھر کتی ہوتی مثنوی وہ لاثانی  
 جہاں میں یہ جو شہور ہے نہیں دنیا  
 خطوں پہ خط چلے آتے ہیں واہ کیا کہنا  
 ہے اس کمال پہ لکین ہزار بار افسوس  
 کمال کے لیے لازم جو ہے زوالِ ضرور  
 ن آب و تاب وہ اگلی سی ہے نرنگ نردے  
 ن حافظہ ہی رہا وہ ن قوتِ ادر اک  
 ہر ایک بات میں لازم ہے اعتدالِ لذور  
 اسی زمانہ میں تو بھی امیر ہو جاتا  
 غنیمت اب بھی سمجھ دقت کو نہ ضائع کر  
 کوئی قسیدہ لکھا ایسا کہ جس کے حرفوں پر  
 جو عیوب میں ہیں ترے وہ بھی مان لیں لوہا  
 سنا جو دل سے یہ میں نے کلامِ پند آمیز  
 کھلی جو آنکھ تو دیکھی یہ قوم کی حالت  
 جو فخرِ قوم تھے ان کا کہیں پتہ ہی نہیں

کہاں میں رام نرائن کہاں میں شمبو ناتھ  
 جو کی پیغ کو جن سے شرف تھا اور وقار  
 ہماری قوم میں تھا صرف ایک اسکالر  
 ہوا وہ عین جوانی میں اجل سے دوچار  
 پران ناتھ کا ثانی نہیں ہے قوم میں اب  
 تھا بحر علم و فرمادت کا گوہر شہر  
 کثنا مرہ میں ہوا اک رفاجر نامی  
 ریاض قوم میں تھی جس کے دم سے طوف بہار  
 بہت ہی جلد وہ دنیا سے اکٹھا گی افسوس  
 تھا شکر لیرل کا قافلہ سالار  
 اودھ میں پھیپھی نرائن نے وہ کیا تھا کام  
 کہ اس کی ذات پر نازاں تھا لکھنؤ کا بار  
 زباں پر بار خدا یا کس کا نام آیا  
 کہ میرے نطق نے بوئے یہ زبان کے نہار  
 ہمارے اونچ امارت سری کشن تکرہ  
 خطاب رائے بہادر وکیل تحریر کار  
 وہی تھے بانی صحبت مگر ہزار افسوس  
 نہیں ہیں آج کہ سب سنتے انکی بھی گفتار  
 بلیغ نکتہ رس، نکتہ داں ابودھیا ناتھ  
 ہے جس کے نام پر دل سے ہماری قوم شمار  
 ہمارے اونچ اور تمام ہند کا ناز  
 نہیں وکیلوں میں جس کا ساہے کسی کو وقار  
 انھیں کی ستان میں سر جارح اپنے سے حاکم نے  
 کہاں تلاش کریں جلد چل بے ہیہات  
 نہیں وکیل یا آنکھیں محال ہے دیدار  
 بھلا کسی کو بھی حاصل ہوتے میں یہ اعزاز  
 تھے ایک اور اسی کانفرنس کے باذن  
 کہاں رہی یاں یہ آنکھیں محال ہے دیدار  
 ہمارے مایہ و نازش جناب بھیر دن ناتھ  
 بھلا کسی کو بھی حاصل ہوتے میں یہ اعزاز  
 کہاں کی ستان میں سر جارح اپنے سے حاکم نے  
 کہاں تلاش کریں جلد چل بے ہیہات  
 بھلا کسی کو بھی حاصل ہوتے میں یہ اعزاز  
 تھے ایک اور اسی کانفرنس کے باذن  
 ہمارے مایہ و نازش جناب بھیر دن ناتھ  
 مگر زمانہ نہیں با کمال سے خالی  
 سیس بگوش دل اب سب یہا دران قوم  
 نہیں ہے قوم میں کچھ اتحاد سے بہتر  
 ہیں ایسے جیسے غنیمت تو مفتر نہ حضن  
 نہیں ہے قوم میں فائدے جو اتحاد قومی میں  
 عیاں زیاد سے ہوں ہے کس کو طاقت گفتار  
 میں اگر نہ کسی وقت رات دن باہم

مثام اہلِ تماشا نہ بچر معطر ہو  
 میان باع نہ پھولوں کا ہو اگر انبار  
 نہ اتفاق کارشہ اگر ہو پھولوں میں  
 کسی گلے میں نہ دیکھ کوئی گلوں کا ماہر  
 ہو ایک جانہ اگر اجتناس بالوں کا  
 بھائیں آتش بعفن و عناد کو سب لوگ  
 بنے نہ زلف چلیا نہ ابرو دیدار  
 بڑھائیں الفت قلبی کریں وفا کا شعار  
 یہی ہے ماحصل انقاد کا نفر نہیں  
 کر حب قوم بڑھے اور دور ہو تکرار  
 ہماری قوم میں سب پر دہ پوش ہو جائیں  
 کہ غیب جوئی سے ہوتا ہمیں ہے خوش ستار  
 جو گتھیا ہیں پڑیں ان کو جلد سبھاڑ  
 کہ ہو ہر سبھرا سوئل ریفارم کا گلزار  
 سوسائٹی ہے جو لاہور میں بڑی بھرپور  
 اٹھائیں ماہنہ نہ اُس کی مدد سے کبھی زینبار  
 ہماری قوم کے پرچے جو دنی نکلتے ہیں  
 ایدیٰ یہ اک کے مدن ہیں تو دوسرے اوتار  
 مدد ہے دونوں کی کل کاشمیر یونیورسٹی  
 کر ان کے نام سے شائع ہوئے ہیں یہ انجمن  
 میں دو کمیٹیاں قومی تو دو ہی ہیں میکنزیں  
 ادھر یہ دو ہیں ادھر وہ ہوئے ہیں مل کر چار  
 تصدیدہ ختم دعا پر کرو نہ دو اب طول  
 ایک دوسرے کے میں ایک دوسرے کے میں  
 ہے طول باعثِ تکلیفِ سامعین سرشار  
 دروں کی قوم کو جب تک ہے کاشمیر میں اونچ  
 ہوا تے سرد پر جب تک وہاں کے دل ہیں شاد  
 الہی روز ترقی ہو اور بڑھے عزت  
 رہے یہ سمجھت پاکیزہ صورتِ گلزار  
 دعا پر ختم تصدیدہ ہوا تو دل نے کہا  
 رہے یہ سمجھت پاکیزہ صورتِ گلزار  
 زبان کی تیغ سے ایران زمیں پر کر دھاوا  
 بگوش ہوش سنو عرض ایں سخیف و نزار  
 ہوفارسی کے قصیدے کا رنگ ایسا شوخ  
 کر خالی اردو ہی کہنا ہے ترا نگ اور عمار  
 کر دجد کرنے لگے روح انوری و دفتر  
 خدا نے تھکلو طبیعت جوان عطا کی ہے  
 فقط ہو دو ہی بیان اک شراب ایک بہار  
 خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چلیوں کو  
 لکھا رہا ہوں مضا میں تازہ کے انبار

# قصیده فارسي

## اہ بہار

نزبے غر و ج بہار و دخ نیم بہار که سرخ سرخ سنهادندگل پسر دستار  
 ہواست معتدل و در مزا جہا صحت  
 زلطفِ نکبتِ گلہائے تازہ حیرام  
 ابسوئے غنچہ ازانست رغبت بوس  
 بشاخ شاخ پھن بہر گل عنادل را  
 بہار سرو و صنوبر چو در نظر آمد  
 زآب شنیم شب در شجر چنان مملوست  
 شد است شرکت درد والم چنان معدوم  
 نزبے و فاق نظر سوئے گل چو کردم تیز  
 گواہ کثرتِ رنگِ گلست تو س قزح  
 هزار آرزه از دل چو کرده گل از گل  
 چو عالم کرد بوا میهان نوازی را  
 نشان گرد کدوت سنهان چو ظلمت کفر  
 به پرس مددمنه دل بستگی دریں موسم  
 برائے غازه رخسار حور رضوان برد  
 علاج دیده بلیل پر جوشش گل اشکست  
 بہر طرف سیاہی داعن بنما بد

مریض نیست کے غیر نگس بیمار  
 که بانیم که آموخت شیوه عطار  
 که از دلیت عیاں تنگی دہانیار  
 کشوده باب شنا از کشاپیش منقار  
 خناز اپاتش خود سوخته متده چو چنار  
 که هر گل است متاب ب ساعز سرشار  
 که خنده زدگل اگر ناله کرد بلبل زار  
 بگوشم آمده آوازان یکاد زخار  
 رسید موجہ ازوتابه گند دوار  
 هزار شهر آفاق شند به اسم هزار  
 خانہاد سرخویشتن پر پائے نگار  
 صفائے باعیاں صورتِ دل دیندار  
 زعندلیب که هر غنچہ می زند منقار  
 هر آں غبار که افتادن باغیاں بکنار  
 که سرخ چشم نہ کردد زکثرت دیدار  
 چرا غلاله فروزان به نور در شب تار

ز شبواست به دنیا سپید می دم صبح  
بخار را چو به بشکل بهار بتوشم  
ز به غرس بهارے که وقت جلوه او  
پدر است دامن گلشن ز قطره شبنم

## ۳. شراب

که دور نش کند دور دور بایه حمار  
لطیف از عرق حیر وقت بوس و کنار  
روان ز جام به سوئ دهان باده خوار  
که موج بایه نت ناب ساعز سرشار  
خزان رسیده گل اندر چین لفسل بهار  
دیه باده ببر به نظره دستار  
ز جام باده کف دست و از حبیب کنار  
زبان به پائی سخنی نفر بارفتار  
که انتہاست پنهان و ز ابتدا زخمار  
صدای انشربوا ز برگشت استغفار  
ترادش سخن از لب چو ساعز سرشار

مناسب است دریں دور دور باده ناب  
شراب صاف تراز آب کوشش و تینیم  
ز خم به سوئ سبو وز سبو به جانب جام  
ز ز بد خشک مشکن بر جمیں خود دارد  
به غیره نشید ماغ به هر چه بناشد  
خوش است سقرتن از لائے نه دریں ایام  
به سحن باع نتی در نظر نمی آید  
مشابهت دم میه کلام می دارد  
چنان بادا ترہ بزم و در جام می سمت  
ز خانقاہ کنوں تا به ن کده آمد  
به طبع خوش سخن گفتن است می تاید

## ۴. تعلیٰ شاعرانہ

اگر از دست گلتان ز من بسے گلنزار  
من از سلامت طبع سلیم دارم عار  
به بیس به شعر که دارد به علم من اشعار

به عهد خویش منم رشک سعد نے شیراز  
بوجد روح کلیم از کلام من شب و روز  
به بیس پنثر چه مصنونها فرمدم

پنهان بود متنوی مناسب تر      قصیده رانه تعلق نیایچ از و سرد کار  
 پر است ساعزد پیانه ام زیاده علم      دله بصدق گواهی تخلص سرشار  
 به بوستان سخن کبک خوش خرام منم      نموده روشن من نه زاغه دشوار

### ۳. انکسار

دلیل قاطع بے مانگی کبراء دل      که بر زمین سست سرشار خ بائے میوه دار  
 مناسب ست ازیں ره گذر کناره کشی      که خول راست در گرم وقت شب بازار

### ۴. اتفاق

ز اتفاق چه بهتر ز اتحاد چه خوش      مدبر اوست که دارد بربیں مدار کار  
 محبت ست وعداوت به دهه تایار ب      عرب قوم غزیزه وعده ذلیل و خوار

---

# حوالشی

- (۱) تاریخ نظم و نثر اردو - آغا محمد باقر ص ۲۲۶
- (۲) مصنایں چکبست ص ۲۲
- (۳) " " ص ۶۳
- (۴) یادِ رنگان - جگر بریلوی ص ۱۴۳
- (۵)

"But he came out of the college with a fair knowledge of English which he improved afterwards by self study and which was turned to great advantage by him later in life in his journalistic and literary career."

Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Writers And Poets - p. 190-91

۲۲ ص مصنایں چکبست (۴)

"His earliest contributions appear in a monthly magazine started by Kashmiri Pundit community, which was known as Murasala-i-Kashmir".

Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Writers And Poets, p. 191

"The artificial style of Rajab Ali Beg Saroor the author of Fisana-I-Ajaib was on vogue in those days in Lucknow and Ratan Nath imitated the same for some time but he soon gave it up in favour of a natural style of writing, which he eventually made his own. The first specimens of his new style appeared in "Owdh Punch" A humorous journal of Lucknow, made famous by Munshi Sajjad Hussain, who was first writer to introduce wit and humour in Urdu periodicals".

Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Writers And Poets - p. 190-91

- (۹) سیر المصنفین جلد دوم - محمد سعید تنبیہ ص ۵۲۲
- (۱۰) ماہنامہ نقوش افسانہ نمبر ادارہ فردیغ اردو ص ۹۸۲
- (۱۱) تذکرہ مگل رعناء - عبدالحی ص ۲۰۲
- (۱۲) دورِ جدید کے چند منتخب شعراء - عبدالشکور ایم۔ اے۔ ص، م
- (۱۳) خم خانہ جاوید۔ جلد چہارم۔ لالسری رام۔ ایم۔ اے۔ ص ۱۴۲
- (۱۴) تذکرہ خنہ مگل - عبدالباری آسی ص ۲۴۱
- (۱۵) سیر کوہسار۔ جلد دوم۔ پنڈت رتن ناٹھ سرشار ص ۱۸۱
- (۱۶) مضا میں چکبست ص ۵۸
- (۱۷) رسالہ آجکل دسمبر ۱۹۸۹ء نئی دہلی میضمون۔ سرشار کا آخری نادل چنپل نار ص ۱۵
- (۱۸) بھار کشمیر۔ سرشار نمبر دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۹۸
- (۱۹) یادِ رفتگان (رتن ناٹھ سرشار) خواجہ عبدالجید
- (۲۰)

"He (Sarshar) used to wear a turkish cap which was the popular head dress of the muslims in those days. In all the photographs that I have seen of him, he is wearing a fez, but one distinction was notice able, that his cap was without a tussel. It is difficult to say whether it was by chance that this tussel had dropped or whether the lack of it was meant as a distinguishing mark."

Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Writers  
And Poets - p. 190-200.

(۲۱) بھار کشمیر۔ سرشار نمبر دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۹۸

"In literature however there was hardly any thing besides his name (۲۲) to show that his novels were the composition of a Hindu author."

Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Writers  
And Poets - p. 200.

"But towards the end of his life in Hyderabad he was a very (۲۲) different man consumed by low fever reduced to a comparative skelton. He could scaracely digest any food. It is stated that he had unfortunately taken to drinking in his youth and when the habit grew he could not shake it off. It became one of the banes of his life."

Sir Abdul Qadir : Famous Urdu Writers  
And Poets - p. 198

"He passed away on 27th January, 1902, at the age of 55 or 56 " (۲۳)

Sir abdul Qadir : Famous Urdu Writers  
And Poets - p. 198

"On the 27th January he died at Hyderabad a thousand miles away (۲۴) from his home without a friend to shed a tear by his lonely bed and to hear his last sigh of final Pain "

Pt. Bishan Narain Dar's : Speeches and Writings. p. 98.



قبل اس کے کہ سرشار بھیتیت مترجم یا سرشار کے ترجم کا جائزہ لیا جاتے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فن ترجمہ سے متعلق کچھ اصولی گفتگو ہو جاتے۔

لفظ "ترجمہ" انگریزی کے لفظ **Translation** کے مترادف ہے۔ **ٹرانسلیشن** کا مادہ لیٹن ہے جو ٹرانس اور لیشن سے مشتق ہے۔ ٹرانس کے معنی ہیں کنارے اور لیشن کے معنی ہیں "لے جانا"۔ اس طرح **ٹرانسلیشن** ایک کنارے سے دوسرے کنارے لے جانے کا عمل ہوا۔ عرض جس طرح کسی دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر لے جانے کا عمل کسی پل کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ صحیح اسی طرح کسی زبان کے ادب کو دوسری زبان میں منتقل کرنے والا **ٹرانسلیٹر** یا مترجم کہلاتا ہے۔ اور اس کا یہ فعل **ٹرانسلیشن** یا ترجمہ ہوتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف بریٹائز کا میں **ٹرانسلیشن** کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"The act or process of rendering what is expressed in one language or set of symbols by means of another language or set of symbols."

Encyclopaedia Britannica Micropaedia

Vol. X, p. 93.

دو ترجمے سے مراد وہ عمل یا طریقہ کار ہے جس کے ذریعہ کسی ایک زبان یا نظام علامتی میں جو کچھ اور کہا گیا ہے اسے کسی دوسری زبان یا نظام علامتی میں ادا کیا جاتا ہے۔ یہ تو ہو لفظ **ٹرانسلیشن** کا مطلب جس کے مترادف ہم لفظ ترجمہ استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم لفظ ترجمہ پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا مادہ عربی ہے۔ جس کا اشتھاقی رابطہ ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے۔ اہل لغت اس کے کم سے کم چار معنی درج کرتے ہیں۔ ایک سے دوسری زبان میں نقل کلام تفسیر تعمیر دیا پہ اور کسی شخص کا بیان احوال یا

تذکرہ شخصی ہے۔ یہ سب معنی باہم مربوط ہیں۔

قرآن کریم میں بھی «کلام مترجم»، افہام و فہم کلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور قریب ترین قیاس یہی ہے کہ ترجمہ بطور اصطلاح اس سے مستعار ہو۔ محمد حسین آزاد نے ترجمے کے فعل کو دریا کے دوسرے کنارے سے پانی لانے کے متادف قرار دیا ہے۔ انھیں کے الفاظ میں ۔۔۔

”یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے جو کشور علم مشرقی اور مغربی دریاؤں کے کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ ان کی ہمت آبیاری کرے گی دونوں کناروں سے پانی لائے گی ۔۔۔“

حاجی احمد فخری نے ترجمے کی تعریف یوں کی ہے۔

”دریمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے۔ ان کو اپنی زبان کا باب اس پہنایا جائے۔ ان کو اپنے الفاظ اور محاورات کے ساتھ میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو۔“

حاجی احمد فخری صاحب نے ترجمے کی جو تعریف کی ہے۔ اس میں بڑی وسعت ہے۔

تعریف ترجمے کے اغراض و مقاصد کو بھی اپنے اندر سمونے ہوتے ہے۔ اس سے نہ صرف ایک اچھا اور بامعنی ترجمہ ہو سکتا ہے بلکہ زبان کا دائرہ بھی وسیع ہونے کی کافی گنجائش ہے۔

خشنصر طور پر ایک کا یا بکار مترجم کے لیے درج ذیل باتیں لازمی ہیں۔

۱۔ مترجم دونوں زبانوں یعنی جس زبان سے ترجمہ کرنا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کیا جانا ہے، پر کامل عبور اور قدرت رکھتا ہو۔

۲۔ مضمون سے اگر پوری نہیں تو کم از کم اس کے مباریات سے واقفیت ضرور رکھتا ہو۔

۳۔ مترجم کا پیرائیہ بیان اور طرز تحریر ایسی ہو کہ قاری ترجمہ پڑھنے وقت کسی طرح کے ابہام کا شکار نہ ہو اور اس کا ذہن اصل مضمون میں بیان بات تک رسائی حاصل کر لے۔ یعنی مترجم بذات خود صاحب اسلوب ادیب ہو۔

۴۔ مترجم ترجمے کی تکنیک سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔

ڈاکٹر جمیل جالبی ترجمے کی خصوصیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ترجمے کے تین طریقوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق —

”نخیری ترجموں کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظوں کے آہنگ، مصنف کے لیے بیان کے تیور اور ابلاغ کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اور اصل متن کا صرف لفظی ترجمہ کر دیا جائے۔ اور بس۔ اسے ترجمہ کرنا نہیں کہتے۔ اسے مکھی پہکھی مارنا کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ مفہوم لے کر آزادی کے ساتھ اپنی زبان کے روایتی و مقبول انداز بیان کی مدد سے ترجمہ کر دیا جائے جہاں جی میں آیا حسب دلخواہ تبدیلی بھی کر لی۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ اس طور پر کیا جائے کہ اس میں مصنف کے لیے کی کھنک اور آہنگ بھی باقی رہے۔ اپنی زبان کا هزاچ بھی بینادی طور پر موجود رہے اور ترجمہ اصل متن کے مطابق بھی ہو۔۔۔۔۔ ایسے ترجموں سے زبان دیاں کو ایک فائدہ تو یہ پہنچتا ہے کہ زبان کے ہاتھ بیان کا ایک نیا ڈھنگ اور اسلوب کا ایک نیا امکان اجادتا ہے۔“

ڈاکٹر جمیل جالبی کے اس بیان کی روشنی میں ترجمے کے تین اقسام ہمارے سامنے آتے ہیں۔  
۱۔ علمی ترجمہ یا الفاظی ترجمہ —

اس ترجمے کے ذیل میں علمی کتب کے ترجم آتے ہیں جیسے جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، نہریں، قانون طبیعت اور سائنس وغیرہ۔

۲۔ ادبی ترجمہ —

اس ترجمہ کے ذیل میں ادبی کتب کے ترجمے آتے ہیں۔ اس لیے مترجم کو ادبیت کا ماہر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں ترجمہ بامحاورہ اسلوب کے ساتھ ہوتا ہے۔

۳۔ صحافتی یا آزاد ترجمہ —

اس میں مترجم صرف مفہوم کا ترجمہ کرتا ہے۔ ایسے ترجم میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ مترجم کو یہ آسانی ہوتی ہے کہ اصل موضوع کو سمجھ کر اپنی زبان میں اپنے

میں ترجمہ ہوا۔ وہ فارسی تصنیف «اطوٹی نامہ»، ہے جس میں طوٹی کی زبان سے کہانیاں کھلوائی گئی ہیں۔

شمالی ہند میں اس دور میں اردو زبان کو حکومتوں کی وہ سرپرستی حاصل نہ تھی جو اسے دکن میں حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی میں جنوبی ہند کے مقابلے میں شمالی ہند میں ترجمہ کم ہوتے۔ ملّا حسین واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف «روضۃ الشہداء»، کا اردو ترجمہ مجلس یاکربل کتھا (درکرملکی کہانی) کے نام سے فضل علی فضلی نے کیا۔ فضل علی فضلی محمد شاہی دور میں تھا۔ اس نے یہ کتاب ۱۳۰۴ء میں لکھی اور پھر ۱۳۰۷ء میں اس کی اصلاح و نظرناہی کی۔ ۱۳۱۲ء کربل کتھا کے بعد شمالی ہند میں جو ترجمے کا دوسرا بڑا کام ہوا ہے وہ قرآن پاک کے اردو ترجمہ میں۔ ان میں دو حضرات کے ترجمہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں پہلے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ان کا ترجمہ محققین کی رائے میں لفظی بے میاد رہ اور دسوار ہے یہ ترجمہ انہوں نے ۱۳۱۸ء کے قریب کیا۔ جب کہ دوسرے مترجم حضرت شاہ عبدال قادر کا ترجمہ شاہ رفیع الدین کے ترجمے کی نسبت ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ ان دو حضرات کے علاوہ ایک اور بزرگ میں جن کا ترجمہ تفسیر قرآن پاک قابل ذکر ہے وہ قاضی بدر الدولہ صاحب ہیں جو ارکات کی اسلامی حکومت میں قاضی تھے۔ اسی اسلامی حکومت کے وزیر اعظم اور اپنے زمانے کے عالم مولانا محمد عزت کافق جنپی کا اردو ترجمہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہ بھی نزدیکی ایک تاریخی ایجاد ہے اس صدی کے اوآخر میں ہوئے۔

ان مذہبی کتابوں کے بعد جن کتابوں کے ترجمہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ زیادہ تر نیم مذہبی اور نیم ادبی ہیں۔ ایسی ہی ایک فارسی «قہصہ چہار درویش» ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ میر عطاء حسین خاں تحسین نے ۱۹۸۶ء میں مکمل کیا۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ قہصہ چہار درویش کا پہلا اردو ترجمہ نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے دکن میں مولوی قادر علی اس کا «مبهاج الصلوٰۃ» کے نام سے ۱۸۷۸ء میں ترجمہ کرچکے تھے۔

انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی روایت یوں تو انگریزوں کی ہندستان آمد سے ہی شروع

ہوتی ہے۔ مگر اس تھاروں صدی میں عمل دخل کچھ زیادہ شروع ہو چکا تھا بیاسی عمل دخل کے ساتھ ساتھ مذہبی عمل دخل بھی جاری تھا۔ عیسائی مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں عیسائی منذر یا پیش پیش تھیں۔ اس تبلیغ و اشاعت کے لیے ضروری تھا کہ مذہبی کتابوں کا مقامی زبانوں میں ترجمہ دستیاب کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں باہل و انجلیجی مقدس کتابوں کے بہت سے ترجمے مقامی زبانوں میں ہوتے۔ اردو میں اس طرح کی پہلی باضابطہ کوشنش بجنہ شلزنے کی۔ اس نے باہل کا ترجمہ سنہ ۱۸۳۸ء میں اردو میں کیا۔ اس طرح کی ساری کوششیں الفرادی تھیں مگر انیسویں صدی کے آغاز میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ مئی نصیر اے میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے ساتھ ترجمہ کا انداز بدل گیا۔ کالج کے زیر سایہ اجتماعی انداز سے ترجمہ کا آغاز ہوا۔

یوں تو اس کالج کے قیام کا مقصد نووارد انگریز افسران کو ہندستان کی مقامی زبانوں اور مقامی عادات و اطوار سے واقف کرانا تھا تاکہ وہ ملک کا بہترین نظم و نسق رکھ سکیں۔ مگر یہ اور بات ہے کہ اس سے ضمنی طور پر اردو زبان و ادب کو بے حد فائدہ پہنچا۔ پہنچنی کے افسران کو مقامی زبان سے شد بد حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہوا کہ اردو میں آسان کتابیں لکھوائی جائیں اور دوسری زبانوں کی شاہکار کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرایا جائے۔ اس کام کے لیے کالج کے پرنسپل جان گلکراست صاحب نے ملک بھر سے ادبیوں اور دانشوروں کو جمع کیا۔ اس طرح مختلف زبانوں خصوصاً اردو، ہندی، فارسی، عربی اور سنسکرت کے دانشوروں دادیب ایک جگہ جمع ہوئے اس کالج کے تحت جو اردو ترجمے ہوتے ان میں سے قابل ذکر ترجمہ اور مترجمین کی فہرست درج ذیل ہے۔

نام کتاب	ترجمہ شدہ نام	منجز
----------	---------------	------

۱۔ نوطرز مرصع از عطا حسین خان تھیں	باغ و بہار	میر امن دہلوی
------------------------------------	------------	---------------

۲۔ مشنوی لیلہ و مجنوں	قصہ لیلہ مجنوں	از امیر خسرو
-----------------------	----------------	--------------

۳۔ تاریخ جہاں کشا می نادری از مزا محمد ہدی	تاریخ نادری	استر آبادی
--------------------------------------------	-------------	------------

اسلوب میں بیان کر دے۔ ایسے ترجموں میں مترجم کو کافی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

ترجمے سے متعلق اس مختصر سی اصولی گفتگو کے بعد اب ہم اردو میں نظری ترجم کی روایت کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

اردو زبان میں ترجم کی روایت، زبان کی ابتداء و ارتقاء سے منسلک ہے۔ دنیا کے ہر ادب کی یہ روایت رہی ہے کہ جب وہ ارتقائی منزلوں سے گزرتا ہے تو اپنا دامن اپنے سے زیادہ ترقی یافتہ ادب کے سرمایے سے مالا مال کرتا ہے۔ اس ضمن میں جوفن اس کی مدد کرتا ہے وہ ترجمہ ہے۔ اس طرح ترجم کے ذریعے ترقی پذیر ادب اپنے ادبی سرمایے کو دیسیع ترکرتا ہے۔ اردو بھی جدید آریائی زبانوں میں سب سے نو خیز اور جوان سال زبان ہے۔ اس نے بھی اپنی ارتقائی منزلوں میں اپنے ادبی سرمایے کو حالات کے پیش نظر عربی، فارسی اور بعد میں انگریزی ادب سے ترجم کے ذریعے دیسیع ترکیا ہے۔ اس طرح جب اردو زبان کی ہی روایت زیادہ قدیم نہیں ہے تو اردو ترجم کی روایت زیادہ قدیم کیسے ہو سکتی ہے؟

اردو میں جس طرح شعرو شاعری کی باقاعدہ ابتداء دکن سے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح ترجم کی روایت کا بھی سیرا دکن کے سر ہے۔

ستہویں صدی اردو میں ترجم کے آغاز کی صدی ہے۔ یہی صدی دکن کی دو خود مختار ریاستوں گولکنڈہ اور بیجا پور کے عروج کی بھی صدی ہے۔ جہاں گولکنڈہ میں قلی قطب شاہ اور سلطان محمد اللہ جیسی ادب نواز شخصیتیں پیدا ہوئیں وہیں بیجا پور میں بہ دور ابراہیم عادل شاہ محمد عادل شاہ اور علی عادل شاہ جیسی مایہ ناز شخصیات کا ہے۔ ملا جہی جو قطب شاہی دور کا ایک ممتاز شاعر اور مصنف تھا کی تسبیح، ۱۶۲۵ء کو عام طور پر پہلا ترجمہ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ میگر اب جدید تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تاریخی اعتبار سے شاہ میراں جی خدا نہابنہ مترجم ہیں جنہوں نے دو عربی زبان کے مشہور مصنف ابو الفضائل عبد اللہ بن محمد علین القضاۃ ہمدانی کی تصنیف "تمہیدات ہمدانی" کا اردو ترجمہ کیا ہے جس کا نام

شرح تہبید سہدانی ہے۔ اس ترجمہ کا ایک نسخہ ۱۴۰۳ء میں لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس عربی تصنیف کا نام تہبیدات سہدانی لکھتے ہیں۔ جب کہ حامد بن قادری صاحب اسے تہبیدات عین القضاۃ درج کرتے ہیں۔ اس طرح حامد حسن قادری صاحب اردو ترجمے کا نام شرح تہبید سہدانی درج کرتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب اس کا کوئی نام نہیں بتاتے ہیں۔ ان عموی اختلافات کے باوجود دونوں ہی مصنفوں میراں جی خدا نما کو عربی تہبیدات سہدانی، کامنز جم قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ملک خوشنود جو عادل شاہی دور کا ایک ممتاز شاعر تھا کی ”جنۃ سنگار“، جو امیر خسرو کی مشنونی درست بہشت، کا آزاد ترجمہ ہے کو پہلا مترجم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے کیوں کہ مشنونی نسخہ ۱۴۲۵ء میں مکمل ہوئی۔ اس طرح اردو میں نشری تراجم کی روایت منظوم تراجم سے زیادہ قدیم ہے۔

اردو میں نشری تراجم کے ذیل میں ملا جبھی بلاشبہ دوسرا مترجم ہے۔ ملا جبھی نے عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں ۱۴۲۵ء میں ایک کتاب ”سب رس“، نشر میں لکھی ہے ”سب رس“، مجھی بھی ابن سبیک فتاحی نیشاپوری کی تصنیف ”دستور عشقان“، کے نثری خلاصے قصہ حسن و دل سے مانود ہے۔ ”سب رس“، کے بعد اس دور میں شاہ میراں یعقوب نے رکن عmad الدین دبیر معنوی کی تصنیف ”شامل الاتقیا“ کا ۱۴۲۳ء میں اردو میں ترجمہ مکمل کیا۔ اس کتاب میں تصوف کے سائل پر بحث کی گئی ہے۔ اس طرح قطب شاہی دور میں اولیاء اللہ نے دین و پڑائیت کی تبلیغ کے ذریعے اس نئی ابھرتی زبان اردو کی تراجم کے ذریعہ جو خدمت کی وہ اکھیں کا حصہ ہے۔ سلسلہ بہمنی سلطنت کے خانوں کے بعد اور نگ زیب کے دور میں بھی جاری رہا۔ اس دور کے ایک بزرگ شیخ محمود الحق خوش دہان میں جنہوں نے اپنے پیر و مرشد شاہ برہان الدین جامن کی تعلیم کو پھیلایا۔ ان کا فارسی رسالہ ”معرفت السلوک“، قابل ذکر ہے جس میں انہوں نے اپنے پیر و مرشد کے فاسفے کو وضاحت دلائیں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ۱۴۲۷ء میں شاہ ولی اللہ قادری نے اس رسالے کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس دور کی ایک اور کتاب جس کا بیشتر اردو کی زبانوں

انگریزی کتب کا نام	اردو نام	متجمم سال ترجمہ
English Dictionary	اردو لغت	کپتان ٹیلر ۱۸۰۸ء
لغت جہاز رائی ۱۸۱۱ء		کپتان ٹامس روک ۱۸۱۱ء
Fables by the Late Mr. Gray	احسن الماعظ	۱۸۳۶ء
Economics	رسالہ علم المیشت	۱۸۵۲ء جان پارکس لیدلی
Reading in English Poetry	جوہر منظوم	۱۸۶۳ء غلام مولانا
(The Vikar of Wake Field)	-	-
By Gold Smith	-	-
Henry and His Brother	-	نظام الدین چشتی -
Merchant of Venice	-	ہر چند گھوش (۱۵)

فورٹ ولیم کا لج کے بعد ترجمے کے ذیل میں دوسری بڑی باضابطہ اجتماعی کوشش دلی کا لج میں شروع ہوئی۔ اس کا لج کے قیام کا مقصد بھی فورٹ ولیم کا لج سے مختلف تھا۔ پہلی بار انگریزی حکومت نے ہندستانیوں کی تعلیم کی طرف توجہ کی۔ کیوں کہ انھیں احساس ہو گی تھا کہ اگر حکومت کو دیر پا اور نکم بنانا ہے تو ہندستانیوں کو بھی زیادہ عرصہ تک نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کو ذہن میں رکھ کر ۱۸۲۵ء میں غازی الدین جیدر کے مدرسے کی عمارت میں دلی کا لج کا افتتاح ہوا۔ مسٹر ٹیلر اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوتے۔ لہ مگر کا لج میں ترجم کا باقاعدہ آغاز اس وقت ہوا جب ۱۸۳۷ء میں ایک فرانسیسی نژاد مسٹر فیلکس بو ترو (Felix Boutro) کو اس کا لج کے پرنسپل مقرر ہوتے۔ دیسی زبانوں میں نصاب کی کتابوں کی سخت قلت تھی۔ اس کی دور کرنے کے لیے بو ترو اور ان کے ہم خیال دوستوں نے ایک انجمن قائم کی جس کا نام تھا:

جو آگے چل کر دلی کا لج ورنیکولر ترانسلیشن سوسائٹی یا ٹرانسلیشن سوسائٹی کے نام سے مشہر ہوئی یہ ترجم کی اساسی ذمہ داری اس سوسائٹی نے انعام دیں۔ اس سوسائٹی کا مقصد بقول مالک رام صاحب ”انجمن کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں علوم و فنون کی اشاعت و تعلیم دیسی زبانوں کے ذریعے کی جائے چوں کہ ان زبانوں میں موضوعات متعلق کتابیں موجود نہیں تھیں۔ اس لیے قدرتی طور پر فیصلہ ہوا کہ انگریزی سنسکرت اور عربی کی بلند پایہ اہم کتابوں کے اردو، ہندی، بنگالی میں ترجمے تیار کروائے جائیں۔ اور اس میں بھی ان کی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے درسی نصاب کی کتابیں لکھوائی جائیں۔ یہ بھی طے پایا کہ کتاب خواہ ترجمہ کی جائے یا انی تالیف ہو۔ اس کی اجرت دی جائے ۱۸ یوں تو اس کا لج کا مقصد تمام دیسی زبانوں میں درسی نصاب کی کتابیں تیار کرانا تھا اور خاص طور پر اردو، ہندی اور بنگالی میں مگر سوسائٹی کی رواداد کے مطابق ترجمہ کا کام صرف اردو میں ہوا۔ اس کی وجہ مالک رام صاحب یہ بیان کرتے ہیں۔

”اس کے متعدد اسباب تھے جس میں سب سے اہم سرمایہ کی کمی تھی۔ اس کام کے لیے جو رقم منظور ہوئی تھی وہ اتنی کم تھی کہ اگر تمام زبانوں میں یا سرگرمی سے کام ہوتا تو اس کے اخراجات پورے کرنے کے وسائل ہی مہیا نہیں تھے۔ اردو میں کام اس لیے بھی زیادہ ہوا کہ اس سوسائٹی یا انجمن کے سکریٹری بلکہ اس کے کرتادھرتا (اور سرگرم کام کرنے والے رکن بھی) اکیلے فیلکس بو تردد تھے<sup>(۱۹)</sup> اس طرح دلی کا لج کی اس سوسائٹی نے ۱۸۳۲ء سے ۱۸۴۰ء تک اردو ترجم کے سلسلے میں جو خدمات انعام دیں وہ اردو ادب کا ایک زریں باب ہے۔ ۱۸۴۰ء میں جب کا لج دہلی سے لاہور منتقل ہو گیا تو پہنچن بھی دلی نہ رہی یہ بقول مالک رام صاحب ”۱۸۴۰ء میں یک لخت حکومت پنجاب نے حکم چاری کر دیا کہ دہلی کا لج بند کر دیا جائے اس پریہاں کے سب طالب علم اور استاذ لاہور چلے گئے<sup>(۲۰)</sup> دلی کا لج کے زیر سای مختلف ادبی، تاریخی، علمی اور سائنسی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ یہاں تک کی سب سے بڑی کوشش تھی۔ ایک اور بات جو اس کا لج کے ذریعے منظر عام پر آئی وہ ترجم کے اصول و ضوابط ہیں۔ دلی کا لج نے پہلی بار مترجم کی مشکلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کچھ اصول و ضوابط طے

متوجه	ترجمه شده نام	نام اصل کتاب
حیدرخیش حیدری	گلزار دانش	۳. بہار دانش از شیخ عنایت اللہ
" "	توتا کہانی	۵. طوطی نامہ از محمد قادری
" "	آرائش مخف	۶. هفت سیر حاتم از حاتم طائی
" "	گل معرفت	۷. روضۃ الشہداء از حسین واعظ کاشقی
میر شیر علی افسوس	باغ اردو	۸. گلستان سعدی از سعدی شیرازی
" "	آرائش مخف	۹. خلاصۃ التواریخ از منشی سبحان رائے
مرزا علی لطف	گلشن ہند	۱۰. گلزار ابراہیم از علی ابراہیم خاں
میر بہادر علی حسینی	اخلاق ہندی	۱۱. مفرح القلوب
" "	تاریخ آسام	۱۲. تاریخ آسام از شہاب الدین طالش
منظہر علی خاں دلا	مادھونیل اور کام کندلا	۱۳. مادھونیل اور کام کندلا از موتی رام کیشور
منظہر علی خاں دلا	ہفت گلشن	۱۴. هفت گلشن از ناصر علی خاں واسطی
" "	بیتائ پکیسی	۱۵. بیتائ پکیسی از بیتال
" "	تاریخ شیرشاہی	۱۶. تاریخ شیرشاہی از عباس خاں سردانی
" "	جهانگیر نامہ	۱۷. تزک جہانگیری
مرزا کاظم علی جوان	شکنستلا	۱۸. شکنستلا از کالم داس
مولوی امانت اللہ شیدا	مہایت الاسلام	۱۹. مہایت الاسلام از امانت اللہ شیدا
" "	جامع الاخلاق	۲۰. اخلاق جلالی
" "	ترجمہ قرآن مجید	۲۱. قرآن مجید
شیع حفیظ الدین	خرداد فروز	۲۲. عیار دانش از شیع ابوالفضل علامی
خلیل علی خاں اشک	داستان امیر حمزہ	۲۳. داستان امیر حمزہ

نام اصل کتاب	ترجمہ شدہ نام	متجمم
۲۳۔ اکبر نامہ از ابو الفضل	داقعات اکبر	خلیل علی خاں اشک
۲۵۔ رسائل اخوان الصفا	اخوان الصفا	اکرام علی
۲۶۔ گل بکاوی از عزت اللہ بنگالی	من درب عشق	نہال چند لاہوری
۲۷۔ تنبیہ الغافلین از مولانا شاہ رفیع الدین	تبیہ الغافلین	بینی نرائیں جہاں
دہلوی		
۲۸۔ بھگوت گیتا	پریم ساگر	للواں جی (۱۴)
اس وقت میں فورٹ دلیم کالج سے باہر بھی مہسینین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جس نے ترجمے کی طرف خصوصی توجہ کی۔ ان میں چند قابل ذکر ترجمے درج ذیل ہیں۔		

اصل کتاب	نام متجمم
خصوص الحکم (ابن عربی)	محمد حسین کلیم دہلوی
ترجمہ قرآن مجید	کلیم شریف خاں دہلوی
شمشیر خانی	رجب علی بیگ سرور
حدائق العشاق	ترجمہ لعنوان سرو سلطانی
الف لیلی	رجب علی بیگ سرور
ترجمہ لعنوان گلزار سرور	ترجمہ لعنوان گلزار سرور
الف لیلی	رجب علی بیگ سرور
حدائق العشاق	ترجمہ لعنوان شبستان سرور

فورٹ دلیم کالج سے باہر انگریزی کی کتابوں کے جو ترجمے ہوئے ان میں زیادہ تر مترجم انگریز تھے مگر بعض ہندستانی مترجموں نے بھی بڑی خوبی سے یہ کام انجام دیا۔ اس دور میں جن انگریزی کتب کا ترجمہ ہوا ان میں چند خاص کتابیں اور ان کے متجمیں درج ذیل ہیں۔

رکھنے والی کتابوں کے کیے ہیں جخصوصاً انگریزی سے اردو میں بہت زیادہ ترجمے ہوئے۔ ان انفرادی کوششوں میں ڈپٹی ندیر احمد کا قرآن پاک کا ترجمہ، قانونی کتب کے تراجم کے ذیل میں Indian Penal Code کا ترجمہ «تعزیراتِ ہند» قابل ذکر ہیں بعد الجلیم شری لکھنؤی کا، نکم چندر چڑھی کے نادل «درگیش ندنی»، کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ، مولانا حاتمی کی علم الارض (عربی سے اردو میں ترجمہ) اور سید علی بلگرامی کی تمدنِ ہند، تمدنِ عرب؛ جو انھوں نے فرانسیسی سے اردو میں کیں۔ یہ تراجم بھی ناقابل فراموش ہیں۔ اس زمانے کی ایک اور شخصیت جس نے تراجم کی اس روایت کو آگے بڑھایا وہ پنڈت رتن ناٹھ سرشار کی ہے۔ سرشار نے بھی بہت سے تراجم کیے ہیں جن کا جائزہ ہم اگلے باب میں تفصیل سے پیش کریں گے۔

# حوالشی

- (۱) انسکلوپڈیا برٹانیکا مائیکر و پیدیا جلد ۹۳ ص ۹۳
- (۲) محمدحسین آزاد۔ آبِ حیات ص ۸۰
- (۳) حاجی احمد فخری میھمنون و تراجم مطبوعہ رسالہ اردو، اکتوبر ۱۹۲۹ء
- (۴) ترجمہ، روایت اور فن میھمنون ترجمے کے مسائل از جمیل جالبی ص ۵۴ - ۱۵۵
- (۵) تاریخ ادب اردو۔ طبع اول۔ جلد اول ص ۳۹۸ ڈاکٹر جمیل جالبی۔
- (۶) داستان تاریخ اردو۔ دوسرا اڈیشن۔ حامد حسن قادری۔ ص ۳۴
- (۷) تاریخ ادب اردو۔ جلد اول از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۲۵۲
- (۸) داستان تاریخ اردو طبع دوم۔ حامد حسن قادری ص ۳۰
- (۹) تاریخ ادب اردو۔ جلد اول از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۳۳۳
- (۱۰) ایضاً ص ۵۰۱
- (۱۱) تاریخ ادب اردو جلد اول از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۳۰۶
- (۱۲) داستان تاریخ اردو طبع دوم از حامد حسن قادری ص ۳۰
- (۱۳) ترجمہ، روایت اور فن۔ نثار احمد قریشی ص ۵
- (۱۴) ترجمہ، روایت اور فن۔ نثار احمد قریشی ص ۸ - ۴
- (۱۵) ترجمہ، روایت اور فن۔ نثار احمد قریشی ص ۱۰ - ۵
- (۱۶) قدیم دلی کامل۔ مالک رام ص ۲۳
- (۱۷) قدیم دلی کامل۔ مالک رام ص ۳۳
- (۱۸) ایضاً ص ۳۵ - ۳۳
- (۱۹) " ص ۳۸ - ۳۸

کیے جو آگے آنے والے مترجموں کے لیے مشعل راہ بنے۔

دلی کا لج کے بعد ترجمہ کے ذیل میں دوسری بڑی اجتماعی کوشش سرید احمد خاں اور ان کے رفقا کی ہے۔ سرید احمد خاں نے ہندستانیوں اور بالخصوص مسلم قوم کو اس کی زبیں حالی سے بخات دلانے کا واحد راستہ جدید تعلیم میں دیکھا۔ ان کا لفین کامل تھا کہ یہ جدید تعلیم ہی ہے جو قوم کو قوم بنانے کی سکتی ہے۔ پچناں چہ اپنے ایک پیکھریں انھوں نے ایک جلسے کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”اگر گورنمنٹ نے ہمارے کچھ حقوق اب تک ہم کو نہیں دیے ہیں جن کی ہم کو شکایت ہے تو بھی ہائر ایجوکیشن وہ چیز ہے کہ خواہ خواہ طوعاً دکر ہا ہم کو دلائے گی“ ۲۱

مگر قوم ہائر ایجوکیشن کیسے حاصل کر سکتی تھی۔ جب کہ قومی خزانے میں قومی زبان میں ایسی کتابیں موجود ہی نہیں۔ چنان چہ سرید احمد خاں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسی کمی کی تشکیل کی بات سوچی جو قوم کو یہ جدید کتابیں قومی زبان میں ہمیا کر سکے۔ اس کمی کی تشکیل کے لیے انھوں نے ساکن ہندستان کے نام ایک التاس جاری کی جس سے سرید احمد خاں کے اس انداز فکر کی غمازی ہوتی ہے۔

”ایسی بدختی حالت کے علاج کی راہ نکالنے اور ہمارے ہم وطنوں ہندوؤں اور مسلمانوں میں علم پھیلانے اور ترقی دینے کے لیے ایک سوسائٹی کا مقرر ہونا تجویز ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہو گا ادول۔ تلاش کرنا اور چھاپنا ہمارے قدیم مصنفوں کی بہت عمدہ کتابوں کا دوسری اور زبانوں سے ایسی کتابوں کا ترجمہ کرنا جو سب کے لیے مفید ہوں“ ۲۲

سرید کی یہ اپیل ملک کے اس وقت کے مختلف رسالوں، اخباروں اور جریدوں میں شائع ہوئی۔ اس اپیل کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا۔ اس اپیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے مگر ایک ہی انداز فکر کھینچنے والے لوگ بالآخر ۱۸۵۴ء کو سرید احمد خاں کی رہائش گاہ (غازی پور) پر آکر ٹھاہا ہوتے۔ اس مجمع نے مختلف قراردادیں منظور کیں۔ پہلی قرارداد تو اس مجمع کے نام کے متعلق ہے۔  
دفعہ۔ ۱ (الف) اس مجمع کا نام سین ٹیفک سوسائٹی یعنی علمی سوسائٹی کہا جائے گا۔

دفعہ - ۲۔ کے تحت سوسائٹی کو مذہب سے سرد کار نہ ہوگا۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اپنے طرح کی پہلی عین منصب سوسائٹی تھی جس نے بغیر کسی تفیق کے ملک کے بھی باشندوں کی فلاج دبیبود کا پڑا ۱۸۴۵ء میں دفعہ - ۱ کے دوسرے حصے میں دو Clauses کامزید اضافہ کیا گیا۔ جس کا پہلا Clause قابل ذکر ہے۔ اول جب کبھی سوسائٹی چاہے کوئی انجام گزٹ جرأت یا میگزین جس سے قوم کی ذہنی ترقی متصور ہو شائع کرے گی۔

اس دفعہ کی تیکیں کے لیے مارچ ۱۸۴۶ء سے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ شائع ہونا شروع ہوا۔ کیوں کہ افتتاحی شمارے پر ۳۰ مارچ ۱۸۴۶ء درج ہے۔

اس طرح سائنس فک سوسائٹی نے باقاعدہ طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ سوسائٹی نے مختلف قراردادوں کے ذریعے بہت سی علمی، ادبی، تاریخی اور سائنسی کتابوں کے ترجم کر کے شائع کرانے کی بات کی ہے۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس فک سوسائٹی اساسی طور پر ایک دارالترجمہ ہی تھی مگر یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ سوسائٹی نے کتنی کتابوں کے ترجم کر کے شائع کرانے میں مولوی عبد الحق صاحب کے مطابق سوسائٹی نے چالیس کتابیں ترجمہ کرائیں جس میں سے انھوں نے اتنیس کتابوں کی فہرست اپنی کتاب «مطالعہ سر سید احمد خاں» میں دی ہے۔ یہ فہرست انھوں نے مختلف ذرائع جیسے گزٹ کے اشتہارات، سوسائٹی کی مختلف رواداد دوسری کتابوں پر حمایت والے اشتہارات وغیرہ سے اکٹھا کر کے تیار کی ہیں۔ اس فہرست میں علم الحساب سے متعلق مولوی ذکاء اللہ کی ترجمہ کر دہ سترہ کتابیں بھی شامل ہیں۔

ویسے سر سید اکیڈمی میں اس فہرست کی بارہ کتابیں موجود ہیں۔ اور بعض کتابیں چارچار جلدیں ہیں۔ اس طرح اگر عمومی طور پر کتابوں کی تعداد شمار کی جائے تو سترہ ہوتی ہیں۔ ترجمہ کی ان اجتماعی کوششوں کے دوران انفرادی کوششوں بھی جاری رکھیں۔ ان انفرادی کوششوں میں بعض ایسی ہیں جن کو نظر انداز نہیں جاسکتا ہے۔ ان مترجموں پر بھی اس دور کی اصلاحی تحریکوں کا اثر صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ان مترجموں نے بھی زیادہ تر ترجم ادبی و سائنسی موضوعات سے تعلق

باقی کتابوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

سرشَار کے جن تراجم تک ہماری رسائی ہو سکی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شمس الصنْعِی

۲۔ اعمال نامہ رووس

۳۔ خدائی فوجدار

۴۔ الف لیلی

سرشَار کے ان چار تراجم کا ہم آئینہ صفحات میں جائزہ لیں گے۔

# شمسِ الصنی

سرشار کی ابتدائی طرز تحریر کے متعلق کوئی راء قائم کرنے میں جو کتاب سب سے زیادہ معاد نابت ہوئی ہے وہ شمسِ الصنی ہے۔ اس کتاب کے متعلق سب سے پہلے چکbast نے اپنے مصنایف میں یوں راء ظاہر کی ہے۔

۱۸۸۷ء میں ایک علم طبیعی کی کتاب کا اردو میں انگریزی سے ترجمہ کیا۔ اس میں ابر، ہوا و برف کی ماہیت کا حال درج ہے۔ چوں کہ اس کے ہر صفحہ میں تحقیقات کا علی فور سمایا ہوا تھا۔ لہذا نام شمسِ الصنی رکھا۔ ایسے ادق مصنایف کا یہان جن کا نقشہ اتارنے کے لیے اردو میں پورے الفاظ بھی موجود نہیں۔ نہایت عام فہم اور سلیس عبارت میں لکھا ہے۔<sup>۲۳</sup>

پروفیسر آل احمد سرور اپنی کتاب «تنقیدی اشارے» میں شمسِ الصنی کے بارے میں رقم طراز ہیں  
”اس زمانے میں انہوں نے (سرشار نے) ایک ہمیٹ کی کتاب کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا اور موضوع کی رعایت شمسِ الصنی نام رکھا۔ صوبہ کے ڈاکٹر یکیڑہ تعلیم ان کے ترجمے کے بڑے مذاخ تھے اور انہیں کی سفارش سے سرتشار کو ۱۸۸۷ء میں ادھہ اخبار کی اڈیٹری مل گئی۔“<sup>۲۴</sup>

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب انگریزی کی کسی ایک خاص کتاب کا ترجمہ نہیں ہے۔ جیا کہ اس کتاب (جس کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے ذخیرے میں محفوظ ہے) کو پڑھنے پر انکشاف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے کتاب کا سرور قہماری توجہ کا مرکز بنتا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

”کتاب لا جواب موسوم بہ،  
شمسِ الصنی“

(۲۰) قدیم دلی کانج - مالک رام ص ۶۱

(۲۱) سید احمد خاں - سید احمد کا سفر نامہ پنجاب - مولفہ مولوی سید اقبال علی، علی گڑھ انسٹی یوٹ

پریس ۱۸۸۳ء ص ۱۱۸ - ۱۱۹

(۲۲) سید احمد خاں - التماس بخدمت ساکن ہندستان سر سید احمد پرائیویٹ پریس فازی پور  
۱۸۶۳ء



جیسا کہ اس مقالے کے پہلے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ سرشار اپنی آزاد صحافتی زندگی کے دوران ہی اپنی شخصیت کو بھی شیفت مترجم نمایاں کرچکے تھے۔ سرکاری حلقوں میں بھی آپ ایک بہترین مترجم سثار کیے جاتے تھے۔ اللہ آباد ہائی کورٹ میں بھی پہلا دنوں تک آپ نے مترجم کے فرانسی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیے۔ مقالے کے اس باب میں ہم سرشار کے ترجم کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ اور ان ترجم کی روشنی میں آپ کی شخصیت بھی شیفت مترجم واضح کریں گے۔ سرشار نے اپنے ترجم کا ذکر کر اپنے ترجیح رخدائی فوجدار، کے دیباچے میں اس طرح کیا ہے۔

”گویں نے لارڈ ڈفن کی ایک مشہور تصنیف کا ترجمہ کیا۔ اور ان کے پرائیویٹ سکریٹری والی صاحب کی تاریخ روس اردو میں مرتب کی۔ ڈاکٹر سہر صاحب کے ایک پولیٹکل رسالے کا ترجمہ مطبع کو دیا۔ الفیلی کا کئی زبانوں سے ترجمہ کیا۔ علم طبیعت کی کتابیں اردو میں تالیف کیں۔ تاریخ مصر (شاخ نبات) انگریزی سے اردو میں تدوین کی۔ مگر میرا خدا اور میں کہ اس قدر لجیسی مجھے اب تک کسی ترجیح میں نہ معلوم ہوئی۔ جس قدر ڈان کوکسات کے ترجمے میں معلوم ہوئی۔“  
سرشار نے لارڈ ڈفن کی جس قدر مشہور تصنیف کے ترجمے کی بات کی ہے دہارل آف ڈفن

کی مشہور تصنیف Letters From High Latitude کی فہرست دیکھنے سے انکشاف ہوتا ہے کہ ان مکاتیب کا ترجمہ مکاتیب ڈفرنیہ کے نام سے ۱۸۸۶ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ فہرست انڈیا آفس لائبریری ص ۹۲، کتاب کے آٹھ تہییدی صفحات میں اور متن دو چونسی صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب سرشار کی نایاب کتابوں میں سے ہے۔ اس طرح ڈاکٹر سہر کے پولیٹکل رسالے کا ترجمہ تاریخ مصر موسوم بہ شاخ نبات متعلق بھی ہماری جدید تحقیق خاموش ہے۔ ہماری رسمی ان کتابوں نک نہیں ہو سکی ہے۔ جہاں تک علم طبیعت کی کتابیں اردو میں تالیف کرنے کا سوال ہے تو علم طبیعت پر ہمیں سرشار کی صرف ایک کتاب پس اضافی ”دستیابی

از نتائج اذکار دا بکار فصیح طلیق اللسان ببل هندوستان پنڈت رتن ناتھ صاحب (در لکھنؤی  
کاشمیری ماسٹر ہائی اسکول لکھیم پور کھیری حال ادیپڑ او دھوا خبار درافق طبع مطبع منشی نول کشور مشرق افادا  
گردید۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب سرشار کے اذکار کا نتیجہ ہے جو انھوں نے کھیری لکھیم پور کے  
صلح اسکول کی مدرسی کے دوران لکھی اور ادھھے اخبار کی ادیپڑی کے دوران منشی نول کشور پریس سے شائع ہوئی۔  
یہ کتاب کسی ایک خاص انگریزی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے۔ اس کی دضاحت کتاب کے مقدمے سے بھی ہوتی  
ہے۔ مقدمے میں سرشار یوں رقم طراز میں

”بڑی خرابی یہ ہے کہ ہماری زبان میں عمدہ عمدہ کتابیں ہما صفت کبریت احمد کا حکم رکھتی ہیں میگر  
بحمد اللہ انگریزی میں عنقا نہیں۔ آج دنیا ان سواد اعظم انگلستان خداے علم دہنر ہونے کا دام بھرتے ہیں پس  
ہم پر عین فرض بلکہ فرض عین ہے اور بعض پوچھو تو اس میں سعادت داریں ہے کچیدہ چیدہ کتب علمی کا انگریزی  
سے اردو میں ترجمہ کریں۔ تاکہ علوم مغربی کے نور سے ہمارا ظلمت کدہ دل منور ہو۔ لہذا انگلستان کے  
علماء اجل اور فہنلاے اکمل کی تصانیف لطیف اور مستند و معترکتب سے یتھف محقرہ تیار کیا گیا اور اس کا  
نام ”شہس الفضی“ رکھا۔“ مقدمے کی ان سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شہس الفضی، کسی ایک  
انگریزی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے (حالاں کہ مصنف نے ترجمے کی اہمیت پر زور دیا ہے) بلکہ مصنف نے  
مختلف انگریزی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ مصنف کے سامنے کسی خاص مصنف  
کی کوئی تصنیف نہیں رہی ہے۔ اس کتاب میں کسی ایک خاص کتاب سے استفادہ کرنے کا بھی ذکر نہیں  
ملتا ہے۔ حالانکہ بعض جگہ Robert Hall, Dr. Arnot, Col Watt کے علاوہ دوسرے  
مصنفین کا ضمناً مذکورہ ملتا ہے۔ اس طرح اگر اس کتاب کو ترجمہ کہہ کر انگریزی کی سائنسی اصطلاحات  
کا اردو ترجمہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

یہ کتاب ایک سوچورا سی صفات پر مشتمل ہے۔ اور ۲۳۵۰ سینٹی میٹر کی خوب صورت گھرے سرخ  
رنگ کی جلد سے مجلد ہے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب ہے۔ کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا

بے اور ہر ایک حصے کو کہ کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

مصنموں	قر	کردہ
زمین کی شکل اور حرکت اور گردش کا بیان	پہلا قمر	پہلا کردہ
کشتی ارضی کا بیان	دوسراء قمر	
زمین کی قوتِ متنفسہ	تیسرا قمر	
سمندر	چوتھا قمر	
جمیل	پانچواں قمر	
جزر و مد کا بیان	چھٹا قمر	
دریا	ساتواں قمر	
بارانِ رحمتِ الٰہی	آٹھواں قمر	
بادل	نواں قمر	
برف	تسواں قمر	
شبہ نم	گیارہواں قمر	
عمر	بازہواں قمر	
زلزلہ	تیزہواں قمر	
ہوا کا بیان	چودہواں قمر	
شہابِ ثاقب کا بیان	پندرہواں قمر	
قوس و قزح	سولہواں قمر	
کوہ	سترنہواں قمر	
جبال النار کو ہماے آتش فشاں	اٹھارہواں قمر	
پہاڑوں کے فوائد	نیسواں قمر	

مضمون	فترم	کرہ
منار مصر	بیسواں قمر	
جنگل	اکیسوں قمر	
نظام شمسی	پہلا قمر	دوسرے کرہ
شمس	دوسرافر	
کرہ قمر کا بیان	تیسرا قمر	
پیاچوں	چوتھا قمر	
دم دار ستارہ	پانچواں قمر	
ثوابت	چھٹا قمر	
خسوف کسوف	ساتواں قمر	
نو تحقیق شدہ بیارے	آٹھواں قمر	
کرونکی جگہ	نواں قمر	
امتناع تداخل	پہلا قمر	تیسرا کرہ
انرشیما	دوسرافر	
تجاذب انا بیب شعری	تیسرا قمر	
فوت اتصال	چوتھا قمر	
بنی نوع انسان	فترم۔	چوتھا کرہ

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سرشار کتاب کے چار حصوں میں فرنگی جغرافیہ اور بنی نوع انسان سے متعلق کافی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ کتاب کے مقدمے اور طرز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب سرشار نے کسی اسکولی نصاب کے لیے نہیں لیکھی تھی بلکہ اس عہد کے نوجوان جو اپنے عہد کی مافوق الفطرت کیانیوں، قصوں سے ادب چکے تھے اور سائنسی معلومات کے متلاشی تھے ان کے لیے لیکھی تھی۔ کتاب کے

مقدمے کا آغاز ہی زمانہ حال پر اظہارِ افسوس ہوتا ہے۔

اللہی یہ کیسی ہوا بندھی کہ پیارے ہندستان کے علم و فضل کا پھلا پھولا چین ادا س ہوگی۔<sup>۱۰</sup>  
اس مقدمے میں ذرا آگے چل کر سرتاسر نوجوانوں کو جھنگھوڑتے ہیں اور انھیں اس دیرینہ  
عقلت کی یاد دلاتے ہیں جب ہندستان دنیا میں علوم و فنون کا علم بردار تھا۔

”ابھی کل کی بات ہے کہ کشورِ تہذیب میں ہندستان کو سرِ لمنِ الملک بجاتا تھا۔ علمِ سندھی میں  
اس کے جھنڈے گرتے تھے۔ ریاضی میں اس کی دھاک بندھی تھی علم و فضل میں اس کا طوطی بولتا  
تھا۔“<sup>۱۱</sup>

عرض سرشار اس کتاب کے ذریعہ اس دور کے نوجوانوں میں سائنسی علوم کی اہمیت پیدا  
کرنا پا جاہتے ہیں۔ تاکہ ہندستان دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کر سکے۔ اس جذبے کو  
ابخار نے کیلیے سرشار مختلف اسالیب تحریر سے مدد لیتے ہیں۔ ملاحظہ ہوایک اسلوب۔

”جس شخص کو علمی باتوں کا شوق نہیں ہے وہ گل ہے جس میں خوب نہیں ہے بعشوق ہے جس  
میں کچھ ادائی نہیں ہے۔ عورت ہے جس میں پارسائی نہیں ہے چراغ ہے جس میں نور نہیں ہے۔

## اسلوب

اس کتاب میں سرشار نے مختلف اسالیب کو اپنایا ہے۔ کہیں اسلوب رد ایتی ہے تو کہیں سادہ  
اور عام فہم اور کہیں طنز یہ دھراجیہ اسلوب کو بھی بخوبی بتاتا ہے۔ شروع شروع میں تو سرشار  
رجب علی بیگ سرور کے انداز بیان کو اپناتے ہیں اور قفقی و مسح رنگین بیانی سے کام لیتے ہیں جس  
میں وہ اپنی فارسی دانی کا بھی کمال دکھاتے ہیں۔ مقدمے میں خاص طور سے اس اسلوب کی پروردی  
کی گئی ہے۔ لیکن آنے والے ابواب میں کہیں کہیں ان کے مخصوص طرز تحریر کا اکشاف ہوتا ہے۔ جو  
مصنف کے شانِ دلستہ کی بشارت دیتا ہے۔ سائنس اور وہ بھی فرکس جیسے مشکل مضمون کو سرشار  
نے کس انداز میں اور کیسے آسان ڈھنگ سے اس دور کے لوگوں کو سمجھایا ہے یہ سرشار کیلے  
ہی مخصوص تھا۔ مثال کے طور پر ”نظم کنشش“، متعلق ایک مضمون کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

”ایک دن کسی پُر فضنا اور دل کش باغ میں خالدار حامد بیٹھے ہوئے تھے چوڑا کالی گھٹا  
چھائی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے بچپولوں کی بھینی بھینی ہبک دل و دماغ دونوں  
کونضارت اور قوت نخشستی تھی کہ دفعتاً ایک تنادر درخت سے ایک آم زمین پر پیک پڑا۔<sup>۹</sup>  
کشمکش ارضی کو سمجھانے کا اس سے بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ آگے چل کر خالدار حامد  
کے درمیان مکالمے کے انداز میں اسے اور بھی دلچسپ بنادیا ہے۔ اس طرح جائزہ و مدد کا بیان،  
میں مصنف متعلم اور عالم کے درمیان سوال و جواب کے ڈھنگ کو اپنا کر جائزہ و مدد کو جو بی ذہن نشین کرانے  
میں کا پیاب نظر آتا ہے۔ عرض مصنف موضوع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے، کہ میں تو بیانیہ طریقہ اظہار  
اور کہیں سوال و جواب کا طریقہ کار اپناتا ہے اور موضوع کو پوری دلچسپی کے ساتھ سامع یا قاری  
کو ذہن نشین کرانے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ موضوع کی رعایت سے مصنف نقشوں اور تصویروں  
کی بھی مدد لیتا ہے جو موضوع کو سمجھنے میں بہت ہی معاون ثابت ہوتی ہیں۔

طنز و ظرافت سرشار کے لیے ہی مختص ہے۔ اس میدان میں سرشار سب سے پیش پیش نظر  
آتے ہیں مضمون کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ طنز و ظرافت کا پہلو ڈھونڈ لیتے ہیں۔ چنان چہ روس الفنی، کے  
خشک مضمایں میں بھی انہوں نے طنز و ظرافت کو بڑی خوبی سے برداشت کی جس سے مفنا میں  
بوحصہ اور گرگز نے کے بجائے شلگفتہ ہو گئے ہیں اور قاری ذہنی الہمن سے بچ جاتا ہے۔ ”زمین  
کی شکل اور گردش کے بیان، میں زمین کو مدد و ثابت کرنے کے بعد وہ کس طرح ظریفانہ بہلو اخیار  
کر لینے ہیں۔ ملا حظہ ہو۔

دہم اس قدر لکھ کچے تھے کہ خاں صاحب ولایتی قروی باندھے اپنی بنتے موجھوں پر تاد دیتے  
ہوئے اکٹتے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ آتے ہی پہنچتے ابدل کر سلام کیا اور مضمون حركت زمین  
پڑھ کر آگ ہو گئے اور ہماری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”آپ کرستان ہو گئے غنہب خدا کا آپ آفما۔  
کو ساکن تصور کرتے ہیں۔ اچھا اگر آفتاب ساکن ہے تو ہمارے ان تینوں اختراضوں کا جواب دیجیے

توٹانگ کی راہ نکل جائیں، میں نے کہا صل علی۔ چتوںوں کا نا جانا کوئی تم سے سیکھ جائے  
ماشاء اللہ قیاد شناسی میں بھی آپ یہ طولی رکھتے ہیں یہ تھے

غرض سرشار د فرولی، نہیں چھپوڑ تے کہیں یہ فرولی خان صاحب کے ہاتھ میں ہے تو کہیں  
میاں خوبی کے ہاتھ میں فرولی سرشار کے یہاں مزاج پیدا کرنے کے لیے آہی جاتی ہے مفہوم  
کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ سرشار ظریفانہ انداز بیان کے ساتھ ساتھ موقع محل کے اعتبار سے طنزیہ  
انداز بیان بھی اپناتے ہیں۔ ”زمین ایک سطح مستوی ہے یا مدور یہیں لکیر کے فیقر لوگوں کی کیسے خبر  
لیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔“

”ادال میں لوگ سمجھتے تھے کہ زمین ایک سطح مستوی ہے مگر علمائے متاخرین عمدہ دلیلوں  
سے اس بات کا کہا نیبغی اثبات کر دیا کہ زمین مدور ہے یورپ کے حقاق اور دقائق عالموں  
نے جو دلائل عقليہ زمین کے مدور ہونے کے پیش کیے ہیں وہ من کل الوجہ قاطع ہیں۔ کیا مجال  
کہ کوئی ان پر اعتراض کر سکے۔ لاحول ولا قوۃ۔ یاں بعض آدمی جن کو حضرت نوح اور دیوانوس کا  
ہم عصر کہنا چاہیے۔ اب تک ان ہی لکیر کے فیقر ہیں۔ آپ چاہے جس طرح ثابت کر دیں کہ زمین گول  
ہے مگر وہ ذہن کے پکے ایک نہ مانیں گے۔ اپنے ہی اڑھانی چاول گلائے جائیں گے ॥“

سرشار ایک ہنسوڑ انسان واقع ہوئے تھے چنانچہ ”سمس الفتنی“ کے مصنایں میں بھی  
جگہ جگہ ایسے قصوں لطیفوں کی آمیزش کرنا کرنا ہنسی بھولنے ہیں جن کو پڑھ کر قاری اپنی ہنسی برداشت  
نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی ایک واقعہ ایک مولوی صاحب کی علم جغرافیہ کے بارے میں ہے جب ایک  
مرتبہ سرشار ایک اسکول میں مدرس تھے۔ تو ایک دن ایک مولوی صاحب مدرسے میں تشریف لائے۔  
دیواروں پر آویزاں نقشوں پر زگاہ دوڑانے کے بعد استفسار کیا یہ کیا بلا ہے یہ عرض کیا گیا کہ حضرت  
یہ نقشے ہیں جن میں کل دنیا کے پہاڑ جھیلیں، سمندر، ملک وغیرہ بنے ہیں۔ مولوی صاحب نے نقشے پر  
نظر دوڑائی اور سکراتے ہوئے بولے۔

”واہ قبلہ واہ اچھے نقشے ہیں اور خوب تعلیم ہے۔۔۔۔ میں (سرشار) نے کہا خیر باشد۔ آپ نے

فرمایا اس میں تو الفاظ ناملاکم لکھے ہیں یعنی خدا کا ایک جھیل کو مردار بتایا ہے۔ مردارگانی نہیں تو کیا ہے جس نے سنالوں کبوتر بن گیا۔ (۱۲)

غرض سرشار نے قصوں، ہدیفون، کہانیوں اور مکالموں کے ذریعے اس کتاب کو نہ صرف ایک علمی کتاب بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ جگہ جگہ فارسی اور اردو کے اشعار استعمال کر کے اس کو ادبی رنگ دینے میں بھی پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔ اس طرح قاری کی معلومات ہی میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے ادبی ذوق کی تسلیکیں بھی ہوتی ہے۔ کتاب کے آخر میں لشن ناتخ، میر غلام حسین، قادر بلگرانی پنڈت بھیم نراائن سرور، پنڈت سرمی کشن صاحب یا سس مولوی اشرف علی خاں اترف وغیرہ کے قطعات تاریخ درج ہیں۔ جن سے کتاب کی تاریخ تحریر ۱۲۹۵ھ/ ۱۹۳۵ء سembت یا ۱۸۷۴ء عیسوی برآمد ہوتی ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سائنس کی کسی خاص کتاب کا ترجمہ نہیں ہے البتہ اس میں سرشار نے جو اصطلاحات اردو میں استعمال کی ہیں وہ مختلف انگریزی اصطلاحات کے ترجیح معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایسی کچھ اصطلاحات اور ان کے ممکنہ انگریزی مترادفات ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

Dynamic	مددوں
Spin Motion	حرکت یومیہ
Orbit Motion	حرکت حولیہ
Laws of Motion	اصول قوانین حرکت۔
Force of Attraction	قوت کشش
Bascity	شوریت
Force of Cohesion	قوت اتصال
Solar eclipse	کسوف

خسوف

Lunar eclipse

دائرة اعتدال

Circle of equilibrium

سریع السیر

Fast moving or high velocity

اس مختصری فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرتشار نے سامنی اصطلاحات کو اردو جیسی کم ما یہ زبان میں بڑی خوبی سے ترجیب کیا ہے۔ ترجیب کردہ اصطلاحات اپنے اصل معنی کو بھی بخوبی واضح کرتی ہیں۔

## اعمال نامہ روس

پنڈت رتن ناٹھ سرشار کے تراجم کے سلسلے میں جس کتاب کو ہم باقا عدہ تراجم کی فہرست میں رکھ سکتے ہیں اور جس سے باقا عدہ ترجمہ کہا جاسکتا ہے وہ،، اعمال نامہ روس، (یعنی ترجمہ تاریخ روسیہ)، ہے۔ یہ کتاب کافی عرصہ تک گوشنہ گنائی میں پڑھی رہی۔ ڈاکٹر ام بابو کسینہ نے تاریخ ادب اردو میں اس کتاب کا ذکر سرشار کی تصانیف کے ذیل میں کیا ہے لیکن اس کتاب پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب نے سرشار کی نادل زگاری میں «اعمال نامہ روس،، اور ددمکاتیب ڈفونیہ» کے متعلق یوں رائے ظاہر کی ہے۔

«یہ تو قریبی قیاس ہے کہ سرشار نے ان دونوں کتابوں کا ترجمہ کیا ہوگا لیکن ساٹھ ہی میں یہ تلقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی اور نہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ سرشار کی دوسری کتابوں کی طرح نہ ملتیں یا ان کا اشتہار سرشار کی دوسری کتابوں پر نہ چھپتا،، سرشار کے ایک محقق پریم پال اشٹک نے اس دعوے کو باطل قرار دیا اور «اعمال نامہ روس،، کو ڈھونڈنکالا اور اس پر عمولی تبصرہ کیا۔ انہوں نے اس کتاب کو فن ترجمہ اور تحقیق کا لا جواب نہیں فراہم کیا۔ انہیں کے لفظوں میں۔

«اتفاقی ضخامت ہونے کے باوجود یہ کتاب تحقیق اور فن ترجمہ کا ایک لا جواب نہیں ہے۔ اس میں علم د

ادب کے شیدائیوں کو روس کی مکمل سماجی، معاشرتی، مذہبی، جغرافیائی، سیاسی اور تجارتی زندگی سے روشناس کرایا گیا ہے۔<sup>۱۳</sup>

سرشار کا یہ ترجمہ (جس کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے اردو ذخیرے میں محفوظ ہے) ۱۸۸۶ء میں مطبع نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ یہ عام کتابی سائز سے کچھ بڑے لعنى رائل سائز کے چھ سو اٹھائیس (۴۲۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دراصل تاریخ کی کسی کتاب کا ترجمہ نہ ہو کر ڈونل میکنزی والس D. Mackenzie Wallace (اس وقت کے واس رائے ہند لارڈ ڈفرن کے پرائیویٹ سکریٹری) کے سفر نامہ روس کا اردو ترجمہ ہے۔ جواب تاریخی اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ والس نے اپنا سفر روس مارچ ۱۸۸۷ء میں شروع کیا تھا اور تقریباً چھ سال لعنى دسمبر ۱۸۸۸ء تک جاری رکھا تھا۔ اپنے سفر نامے میں مصنف نے روس کے سیاسی معاشری نظام اور رومنی طرز معاشرت کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے سب سے زیادہ لپپسی سے جس قوم کے حالات زندگی کا ذکر کر کیا ہے وہ آسٹینز (Osstes) قوم ہے۔ یہ قوم دراصل آریائی قوم کا ہی ایک گروہ ہے جس نے ماہنی میں وسط ایشیاء سے ترک ڈن کر کے یورپ میں سکونت اختیار کر لئی تھی۔ ہندستانیوں کے لیے اس وجہ سے یہ فرنامہ خاصی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے اور شاید اسی کو مد نظر رکھنے وال کشور نے اس سفر نامے کے اردو ترجمہ کو شائع کرنے میں اپنی دلی خواہش ظاہر کی ہو۔ اور سرشار نے اس پر لبیک کہا ہو۔ اس طرح ہندستانی نقطہ نظر سے یہ فرنامہ تاریخی حیثیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

والس کا یہ فرنامہ دو جلدیں میں ہے۔ پہلی جلد میں ایک باب میں اور یہ جلد چار سو چھھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ ہی بجود ۴۰ صفحات پر مشتمل فہرست ابواب مظاہر اور مقدمہ بھی شامل ہے۔ یہ جلد میں پیٹر اینڈ گالپن کمپنی لندن Cassell Petter And Galpin Co. شامیں ہے۔

نے ۱۸۸۷ء میں شائع کیا ہے۔ دوسری جلد جو کہ پندرہ ابواب (باب نمبر ۲۰ تا ۳۷) پر مشتمل ہے۔ یہ جلد بھی مندرجہ بالا کمپنی کی ہی شائع کردہ ہے۔ اس

- London)

جلد کے آخر میں کمپنی کی دیگر مطبوعات کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ سرشار کا ترجمہ دراعمال نامہ روس،، دالس کی دونوں جلدیوں کے سبھی ابواب کا ترجمہ ذہب کر دنوں جلدیوں کے صرف کچھ خاص ابواب کا ہی ترجمہ ہے۔ سرشار کے اس ترجمے میں صرف اُنیس باب ہیں۔ درج ذیل فہرست سے یہ بات بخوبی واضح ہو جائے گی کہ سرشار نے کس کس باب کا ترجمہ کیا ہے۔ اور کن کو غیر فرادری سمجھ کر حفظ کر دیا ہے۔

Mackenzie Wallace

Vo. I Russia

chapter I- Travelling In Russia

II In The Northern Forest

III Voluntary Exile

IV The Village Priest

V A Medical Consultation

VI A peasant Family of the Old Type

VII A peasantry OF the North

VIII The Mir Or Village Community

IX How The Commune Has been  
Preserved, And What It is to Effect in the Future

X Finnish And Tartar Villages

XI The Towns And The Mercantile Class

XII Lord Novorod The Great

XIII The Imperial

پہلا باب سیاحت روس۔

دوسرہ باب - شمالی جنگل

تیسرا باب - اپنے آپ جلاوطن ہونا

چوتھا باب - گاؤں کے پادری صاحب

پانچواں باب - ایک ڈاکٹر سے مشورہ

x      x      x

x      x      x

چھٹا باب - میر یعنی مستردہ دیہی۔

ساتواں باب - مجالس دیہی اور ان کا انتظام

آٹھواں باب - اہل فن اور تاتاریوں کے گاؤں

نواں باب - قہبے اور تجارت

x      x      x

دوساں باب - حکومت شاہنشاہی اور افسران سرکاری

## Administration And the Officials

XIV The new Local Self-Government گیارہواں باب۔ نئی لوکل سلف گورنمنٹ

XV Landed Proprietors Of The old School بارہواں باب۔ پرانے مالکان آراضی

XVI Proprietors Of the Modern School تیرہواں باب۔ حال کے مالکان آراضی

XVII The Noblesse چودہواں باب۔ امراء عظام

XVIII Social Classes پندرہواں باب۔ سوچن طبقے

XIX Among The Heretics Vol. II × × ×

## Chapter XX The Dissenters

XXI The Pastoral Tribes of the steppe سولہواں باب۔ میدان اسپی کی جویاں قمیں

XXII The Tartar Domination سترہواں باب۔ تاتاریوں کی حکومت

XXIII The Cassacks اکھارہواں باب۔ کاسک

XXIV Foreign Colonies On The Steppe انیسوائیں باب۔ میدان اسپی کو مالک غیر کے باشندوں نے آباد کیا۔

XXV ST. Peter's Burg And European Influence بیسوائیں باب۔ سینٹ پیٹر برگ اور مالک یورپ کی تقلید

XXVI Moscow And The Slavophils اکیسوائیں باب۔ ماسکو اور فرقہ اسلیو دفل

XXVII Church And State بایسوائیں باب۔ کلیسا اور سرکار

تیسواں باب - جنگ قریبہ اور اس کے نتائج  
XXVIII The Crimean War And Its Consequences

چوبیسواں باب - غلامان خانہ زاد  
XXIX The Serfs

پچیسواں باب - آزادی غلامان خانہ زاد  
XXX The Emancipation Of The Serfs

پچھیسواں باب - نتائج آزادی  
XXXI Consequences Of The Emancipation

۱. زمین داروں کے لیے  
ستایسواں باب - نتائج آزادی

۲. کسانوں کے لیے  
ستایسواں باب - نئی عدالتیں

B - For the Peasantry

اٹھایسواں باب - نئی عدالتیں

استیسواں باب - وسعت ملک اور سُلْطنت مشرقی

XXXIII The New Law Courts

XXXIV Territorial Expansion

And The Eastern Question

کاترجمہ «اپ جلاوطن ہونا، یا پھر شیما کے لئے باب

کاترجمہ «اپنے کام کی روشی میں پرکھیں تو سب سے پہلے ہماری

توجہ ابواب کے ترجمہ پر جاتی ہے۔ مندرجہ بالا فہرست دیکھنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سرشار نے بعض

کے ترجمے کافی بہتر کیے ہیں۔ مگر چند ایک کے ترجمے ہماری نظر وہ میں کھٹکتے ہیں۔ مثال کے طور پر

How The Voluntary Exile

Commune Has Been Preserved And What It

کاترجمہ «اعمال نامہ روکس، کے ساتوں باب میں Is To Effect In The Future

"مجالس دیپی اور ان کا انتظام یا رشیا کے چودہویں باب

کا اعمال نامہ روس کے گیارہویں باب "دنی لوکل سلف گورنمنٹ" کیا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سرشار نے ابواب کے ترجمے میں بھی بعض جگہ عجلت کی ہے اور انگریزی الفاظ کو بغیر ارد و کے قالب میں ڈھالے چیزوں کا تیوں رکھ دیا ہے بعض جگہ کسی باب کے مطالب کو دھیان میں رکھ کر اس کا ترجمہ کیا ہے۔ جو کہ ان کے فن کو کسی حد تک مجرور کرتا ہے میگر بعض جگہ اپنے ترجمے کا بھی ثبوت دیا ہے۔ ابواب کے بعد ہم چند اقتباسات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ سرشار اس ترجمے میں کہاں تک کامیاب رہے۔ پہلے ہی باب "سیاحت روس کا بیان Travelling In Russia" میں تاکہ معلوم ہو سکے کہ سرشار اس ترجمے میں دہائی پڑنے والی تیز سردی کا ذکر ہے۔

"The carriages are decidedly better than in England, and in winter they are kept warm by small iron stoves, such as we sometimes see in steamers, assisted by double windows and double doors - every necessary precaution in a land where the thermometer often descends to 30° below zero."

سرشار کا ترجمہ -

گاڑیاں انگلستان کی گاڑیوں سے بد جہاں بہتر ہیں۔ اور موسم زمستان میں چھوٹے چھوٹے آہنی آتش داؤں سے جیسے دودھی جہازوں پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ گاڑیاں گرم رکھی جاتی ہیں اور اصلاح کے لیے دوسری دوسری کھڑکیاں اور دوسرے دوسرے دروازے لگائے جاتے ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں مقیاس الطرارت کا پارہ اکثر نیس درجے کے پہنچے اتر جاتا ہے یہ تدارک کرنا ضرور ہے" (۱۶)

بلاشبہ سرشار نے اس اقتباس میں فن ترجمہ کا حق بڑی خوبی اور دیانت داری سے ادا

یکا ہے۔ انہوں نے نہ تو کسی الفاظ کی زیادتی کی ہے اور نہ ہی کمی۔ کچھ الفاظ تو خاص طور پر ہماری توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ جیسے موسم زمستان (Winter) آتش دان (Stoves) دودی جہاز (Steamer) مقياس اطراف (Thermometer) دیگرہ۔ سرشار ہر الفاظ کا مترا دف استعمال کرنے میں بڑی چابکدستی سے کام لیتے ہیں۔ اور جہاں جو لفظ مناسب ہوتا ہے وہی استعمال کرتے ہیں۔ مگر کچھ خایاں بھی نظر آتی ہیں جیسے (Decidedly) کا ترجمہ «بدر جہا،» اس کے صیغع مفہوم کو نہیں ادا کرتا ہے۔ اگر اس کے بد لے «د بلا شہ،» مسلم طور پر، جیسے الفاظ لاتے تو زیادہ موزوں ہوتا۔ دوسری بڑی باریک غلطی جو سامنے آتی ہے میکنزی والیں دہاں کا درجہ حرارت صفر سے تیس درجہ پہلے (30° Below Zero) لکھتے ہیں جیسا کہ سرشار صرف تیس درجہ پہلے لکھنے ہیں جس سے بات واضح نہیں ہوتی ہے کیونکہ تیس درجہ کے پہلے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ انتیس درجہ ہو سکتا ہے اور صفر بھی ہو سکتا ہے۔ اس معمولی (لیکن بڑی غلطی) کے علاوہ بلاشبہ سرشار کا ترجمہ بہترین ترجمہ ہے۔ سرشار لفظی ترجمہ نہیں کرتے ہیں بلکہ مفہوم کو ادا کرنے کے لیے واضح اور مناسب ترین الفاظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہوتی ہے تو وہ محاوروں اور کہاوتوں کا بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ یہ محاورے یا کہاوتیں ترجمہ پر گراں نہیں گزرتی ہیں بلکہ اسے اور بھی کار آمد بناتی ہیں۔ ایسی ہی ایک جگہ امراء عظام (The Noblesse) کے بیان میں پیٹردی گریٹ کی شخصیت کی وضاحت میں محاوروں اور کہاوتوں سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

#### D. Mackenzie Wallace

"The next transformation of the noblesse was effected by Peter The Great. Peter was by nature and position an autocrat, and could brook no opposition. Having set before himself a great aim, he sought every where obedient intelligent, energetic instruments to carry out his designs. He himself served the state zealously - as a common artisan, when he considered it necessary - and he insisted on all his subjects doing like-wise under pain of merciless punishment. The noble birth and long pedigrees he habitually showed a most democratic, or rather autocratic indifference." ۱۳

ترجمہ :-

”دوسرے تبدل حالت جماعت امراء کا پیڑ اعظم کے عہد میں ہوا تھا پیڑ خلقی خود مختار طبیعت کا آدمی تھا۔ اور بہ اس کو پسند نہ تھا کہ کوئی اس کا مقابلہ کرے۔ اس کو ایک بہت بڑا کام انجام دینا تھا جس کے لیے وہ ہر مقام پر مطیع اور ذکی الطبع اور مستعد آدمی تلاش کرتا تھا۔ اور صزورت کے وقت ایک معمولی کار بیگر کا کام دیتا تھا اور وہ استبداد کرتا تھا کہ اس کی کل رعایا دیساہی کرے۔ ورنہ بے رحمی کے ساتھ سزا دی جائے گی۔ معالی دو دماني اور عاليٰ نسبی کی اس کو ذرا پرواز نہیں۔ اس کا قول تھا۔ ٹھ۔

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست<sup>(۱۸)</sup>

سرشار اپنا مفہوم ادا کرنے کے لیے جہاں مجاہدوں اور کھاؤتوں کا استعمال بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔ وہیں موقع محل کی مناسبت سے اشعار کا استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایسا، جہاں ایک موقع اسی حاجتِ روس، میں چھوٹے قصبوں کے مکانوں کی ابتری کے بیان میں دیکھنے کو ملتا ہے ملا حظہ ہو یہ عبارت:-

D. Mackenzie Wallace

"The Best lodging to be found in some of the small provincial towns are much worse than the ordinary post stations. To describe the filthiness and discomfort of some rooms in which I have had to spend the night, would require a much more powerful pen than mine; and even a powerful writer in entering on that subject would involuntarily make a special invocation for assistance to the muse of the naturalistic school."

سرشار کا ترجمہ :-

چھوٹے چھوٹے قصبوں میں جو مکان ہوتے ہیں۔ وہ معمولی ڈاک چوکیوں سے بھی کہیں بدتر ہوتے ہیں۔ بعض کمرے جن میں مجھے تمام شب بسر کرنی پڑی ان کی نجاست اور تکلیف لکھنے کے لیے ایک

بڑے زبردست منشی کی حضورت ہے۔ میرے قلم میں اتنا زدر کہاں۔ اور اس منشی کو بھی مجبور ہو کر خدا سے دعا مانگنی پڑے گی بموجب بیت۔

طعنے سے زبان نکتہ چین روک رکھ لے مری اہل خامہ میں نو<sup>۱۹</sup> عرض شعر کے استعمال سے ترجیح کے بہادلیں رکاوٹ آئی ہے مگر سرشار نے جہاں تک مطلب مفہوم کا تعلق ہے بخوبی ادا کر دیا ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر دیکھا جائے تو، "اعمال نامہ روکس" سرشار کا ایک بہترین ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ میں سرشار نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔ منشی نوں کشور نے اس ترجیح کے لیے سرشار کا انتخاب کرنے میں بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا جیسا کہ منشی صاحب اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

"When I first formed the project of bringing out a translation of this book, I was in some doubt as to who would be the best person to be employed as translator I Finally decided on entrusting this task to Pt. Ratan Nath, Connected with the Oudh Akhbar, and I am glad to find that his translation has been approved by competent judges." ۲۰

(ترجمہ) "جب مجھے اس کے ترجمے کی خواہش ہوئی تو غور کیا کہ کسی ایسے کے یہ کام سپرد کروں جو اردو انگریزی دونوں زبانوں سے واقعیت رکھتا ہو لہذا میں نے پنڈت رتن ناٹھ معاون اودھ اخبار کو اس کام کے لیے منتخب کیا۔ اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ اکثر اصحاب دیقہ رس نے ترجمے کی خوبی کی بہت تعریف کی ہے۔" ۲۱

سرشار نے اس ترجمے کو خشک نہیں ہونے دیا ہے۔ اگر کتاب سے "یعنی ترجمہ تاریخ روسمیہ" اور میکنزی والس کا نام ہٹا دیا جائے تو یہ سرشار کی تصنیف معلوم ہوتی ہے عرض سرشار نے ترجمہ کو تصنیف کے مدد مقابل لاکھڑا کیا ہے۔ اور یہی ایک بہترین ترجمہ کی پہچان ہے۔ سرشار کا جیٹیت مترجم جہاں بھی ذکر کیا جائے گا اس کا ذکر ناگزیر ہو گا۔

# سرشار کی الف لیلی

عربی میں "الف لیلہ ولیلہ" یا "الف خرافہ"، فارسی میں "ہزار افسانہ" یا قصہ شہزاد، انگریزی میں "Arabian Nights" یا "Thousand And One Nights"

یا صرف "Arabian Nights" Entertainment

اور اردو ادب میں "الف لیلہ" یا "ہزار داستان" کے نام میں مشہور و معروف کہانیوں کا مجموعہ ایک ایسا مجموعہ جس کی تاریخ تالیف اور مصنف دونوں ہی کو ابھی تک محققین طے کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس کی وجہ دراصل اس کی ہزار رنگی ہی ہے کیوں کہ اس میں مناظر تو دستی ایشیا، بلکہ یوں کہہ سمجھیے کہ متعدد ہندو چین کے ہیں۔ مرکزی کرداروں کے نام (شہزاد دنیازاد اور شہریار) ایرانی زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہانی کافر یہم ہندوستانی ہے مگر زیادہ تر ضمنی کرداروں کے نام عربی ہیں۔ اس طرح اگر ہم کہانیوں کے اصل مادے اور ان کے جغرافیائی حدود پر نظر مرکوز کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہانیاں ہندوستان، ایران، عراق، مہر ترکی اور کسی حد تک یونان متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ اس طرح محقق اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ کہانیاں مختلف دور میں مختلف لوگوں نے مختلف حکومات میں لکھیں یا سنی سنائی ہوں گی۔

ہندوستان میں افسانوی ادب کو مہیشہ ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے۔ تاریخی اعتبار سے ہندوستان کا افسانوی ادب عیسیٰ مسیح کے سین پیدائش سے بھی پانچ ہزار (۵۰۰) سال قدیم ہے۔ ہندوستان میں افسانوی ادب دیدک سنسکرت، پالی، پراکرت اور اپ بھرشن وغیرہ زبانوں میں ملتا ہے۔ ان تمام زبانوں میں افسانوی ادب کی شکلیں مختلف ہیں۔ اسی وجہ

سے نقاد ان فن افسانوی ادب کا سلسلہ ویدک سنکرت یعنی رگ وید سے جوڑتے ہیں لیکن رگ وید میں ہمیں پوری کہانیاں تو نہیں ملتی ہیں لیکن کہانیوں کے بیچ بھرے ہوئے ضرور دکھانی دیتے ہیں۔ ان میں کہانی یا قصہ کی دہن تکل ہمیں کہیں نہیں ملتی ہے جیسا کہ برہمن اور اپنند میں ملتی ہے۔ اپنند میں بھی کہانیاں ادبی پس منظر کے تحت نہیں آئی ہیں۔ بلکہ ان کہانیوں کو حوالہ کے طور پر صحیک اسی طرح پیش کیا گیا ہے۔ جس طرح بائبل میں عیسائی مذہب کو صحیک طور پر سمجھانے اور دلوں میں تفہیم پیدا کرنے کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔ یہ کہانیاں زیادہ تم آئندہ میں اور نصیحت آمیز میں جن کا نصب العین انسان کو ایک بہتر انسان بنانا ہے مغربی نقاد ان فن بھی اسی وجہ سے بندوقستان کو ہی کہانی کی جائے پیدا شدہ مانتے ہیں۔

ان کہانیوں کو ایک جگہ سے دوسرا جگہ لے جانے کا اہم ذریعہ اس وقت کاتا جو طبقہ تھا۔ ان کہانیوں کے زیادہ تر میر و تاجر یا سوداگر پہلے ہیں اور شہزادے بعد میں ہیں۔ سنکرت ادب میں کہانیوں کے مجموعے کی تکلیف میں جو قدیم کتاب دستیاب ہوتی ہے دہ کہناں سرت ساگر، ہے۔ جس کا مصنف ایک کشمیری برہمن سوم دیوبھی ہے۔ کہانیوں کا یہ مجموعہ اس نے رانی سوریون کو سائنس میں زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے ہونے والی دماغی تھنکان کو دور کرنے کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ اس کے علاوہ کہانیوں کا ایک اور مجموعہ جو سنکرت ادب میں دستیاب ہوتا ہے دہ شیمندر کی "برہت کہنا مسخری" ہے۔ جس کا زمانہ تصنیف ۱۳۷ء؎ خیال کیا جاتا ہے۔ مگر محققین نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سوم دیوبھی اور شیمندر نے اپنی تصانیف کے لیے جو مواد حاصل کیا ہے دہ ۸۷ء؎ کی پیشاچی پر اکثر میں گناہ جیہہ کی تصنیف "برہت کہنا" ہے۔ جواب ناپید ہے۔

کہانی کا میر و نرداہن دت شہزادہ ہوتے ہوئے بھی ایک سوداگر ہے۔ حسن و جمال اور موسیقی اس کے ہاتھیاں ہیں جن سے وہ فتح حاصل کرتا ہے۔ شادی ہی اس کی زندگی کی فتح ہے۔ "الف لیلہ" کی کہانیوں کے بھی زیادہ تر میر و اسی زمرے میں آتے ہیں۔

الف لیلہ کا سب سے پہلے ذکر جو تمیں اب تک دستیاب ہوا ہے دہ نویں صدی علیسوسی کا ایک مخطوطہ ہے۔ اس کے بعد ۹۲۷ء میں ابوالحسن علی المسعودی نے الف لیلہ کا ذکر اپنی کتاب مردرج الذهب و معادن الجواہر کے ۶۸ ویں باب میں ہند ایران کی دیوبمالانی کہانیوں پر بحث کے دوران کیا ہے ۹۸۴ء میں شائع عربی ادب پر توضیحی اشارتی کتاب "الفہرست" کے مصنف ابن النديم نے لکھا ہے کہ کتاب الوزرا کے مصنف ابو جعفر اللہ بن عبد العبد رس الجہشیاری نے ایک کتاب تالیف کی جس میں اس نے عرب، عجم اور روم کے ایک ہزار قصصے اختیاب کیے مگر اس کی عمر نے وفات کی اور وہ محفوظ (۳۸۰) چار سو سالی کہانیاں ہی لکھ کر ۹۳۲ء میں انتقال کر گیا۔ اس اشاریہ سے یہ بات بھی کسی حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ الف لیلہ کی اصل فارسی "ہزار افسانہ" ہی ہے۔

یورپ میں الف لیلہ کو روشناس کرانے کا سہرا پورت (Porte) میں اس وقت نسیسی سفیر کے ایچی سکریٹری آن تولے گالان (Antoine Galland) کے سر ہے گالان کی کتاب "Mille et une Nuits, Contens Arabes Traduits en Francois"

۱۷۵۱ء میں شائع ہونا شروع ہوئی مگر ۱۷۵۷ء میں اس کتاب کی دسویں جلد شائع ہونے کے ساتھ اس کی زندگی کا چراغ نگل ہو گیا۔ اس کے بعد مسودوں سے دو اور جلدیں شائع ہوئیں آخر میں یہی جلد ۱۷۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس طرح گالان وہ پہلا شخص ہے جس نے ہارون رشید اور شہزاد کو مصر کے قبوہ خالوں سے نکال کر ما سکو سے میدرڈیک کے درائیں ردموں میں پہنچا دیا۔ بعد کے مترجموں نے گالان کے ترجمے سے کافی استفادہ کیا ہے اور اسے معتبر مانا ہے۔

ایک اور اہم نسخہ جن سے بعد کے متذمین نے کافی استفادہ کیا ہے وہ پہلا بولاق ایڈیشن ۱۸۳۵ء ہے۔ یہ مصری ترتیب کا اہم ترین عربی نسخہ ہے۔ اس میں دو سو کہانیاں ہیں اور

بہترین ایڈیشن ہے۔ دراصل یہی وہ ایڈیشن ہے جو انگریزی ادب کے مشہور مترجمین ای. ڈبلیو لین (E.W. Lane)

سال ۱۹۳۹ء میں جان پین (John Payne) (۱۸۸۲-۸۳ء) اور سر رچرڈ برٹن (Sir Richard Burton)،

۱۸۸۵-۸۶ء کے تراجم کی بنیاد ہے۔<sup>۲۲</sup> انگریزی ادب میں

الف لیلہ کے یہی تین بہترین ترجمے ہیں۔

اردو زبان میں سرتشار کے ترجمہ الف لیلہ سے پیش تر الف لیلہ کے بہت سے نشری  
و منظوم ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ ان میں کچھ اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

۱. الف لیلہ اردو از شاکر علی ۳۰۰ صفحات فورٹ ولیم کالج میں ۱۸۰۳ء میں طباعت

کے لیے درست کی گئی۔

۲. حکایات الجلیلہ۔ ۲ جلد از شمس الدین احمد مدرس جلد اول ۱۸۳۴ء۔ ردم ۱۸۳۹ء۔

۳. الف لیلہ از عبدالکریم چار حصے یک جا مجلد ۳۳۵ صفحات ۱۸۳۲ء عبدالکریم نے  
فارسی کی انگریزی الف لیلہ سے ترجمہ کیا۔

۴. الف لیلہ ترجمہ عفروی، محمد حسن علی خان دشید الدین خان مولویان دہلی کا لج

۱۸۳۲ء ۵۹۵ صفحات

۵. الف لیلی از حیدر علی فیض آبادی۔ انہوں نے دس جلدوں میں ترجمہ کیا۔ جس کی پہلی  
جلد ۱۸۳۴ء میں شائع ہوئی۔ اس جلد میں پہلے کلکتہ ایڈیشن کی جلد اول کی کہانیاں ہیں  
جو سوراتوں میں تقییم کی گئی ہیں۔

۶. شبستان سرور از رجب علی بیگ سرور ۱۲۶۹ء شبستان سرور میں دہی حکایات میں  
جو عبدالکریم کی الف لیلی میں ہیں۔ سرور نے اپنے عربی مأخذ کی صراحت نہیں کی۔ سرور  
کی دیگر تصنیف میں یہی وہ تصنیف ہے جس میں عبارت آرائی یا شاعری کاشتاہی نہیں ہے۔

۷. الف لیلی نو منظوم ۱۸۶۲ء مطابق ۱۲۸۸ھ میں شروع ہوئی اور ۱۸۴۸ء مطابق ۱۲۸۵ھ  
میں ختم ہوئی۔ اس میں ہزار راتیں ہیں۔ پہلی دھانی سوراتیں مرزا صفر علی نسیم دہلوی نے

نظم کی ہیں۔ پھر دوسرے اور تیسرا حصے میں ڈھانی ڈھانی سوراتیں یعنی کل پانچ سو راتیں منشی تو تارام شایان نے نظم کیں۔ اور چوتھے حصے میں ڈھانی سوراتیں شادی لال جمن نے نظم کیں۔ اس میں مولوی عبد الکریم والی سب کہانیاں اور دو مزید کہانیاں ہیں۔

۸۔ ہزار داستان نظر ۳ حصے از منشی تو تارام شایان نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۴۸ء اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے حصے میں ڈھانی سوراتیں اور تیسرا حصہ میں دو سو ایکا دن راتیں ہیں۔ اس میں عبد الکریم اور گالاں والی کہانیاں ہیں۔ اس کی زبان مرصع اور سمجھ ہے۔

۹۔ ہزار داستان از منشی حامد علی خان حامد۔ نول کشور پریس کانپور ۱۸۸۹ء یہ کوئی نیاترجمہ نہیں ہے بلکہ حامد علی خان حامد نے شایان ہی کے ترجمے کو سادہ سلیس ڈھنگ سے لکھا ہے۔ اس میں راتوں کی تقسیم نہیں کی گئی ہے۔

۱۰۔ شبستانِ حیرت یا الف لیلہ شہزاد از مرزا حیرت دہلوی ۱۸۹۲ء اس میں ناول کے انداز پر مکالمہ ہے۔ ڈھانی ڈھانی سوراتوں کے چار حصے ہیں۔

۱۱۔ الف لیلہ ۲ جلد از رتن ناخدا سرشار ۱۹۰۱ء لکھنؤ اس ترجمے میں کہانیوں کی تعداد پھلے تمام ترجم سے زیادہ ہے (۲۲)۔

سرشار نے خدا کی فوجدار کے دیباچے میں اپنے ترجم کے ذیل میں الف لیلی کا کمی زبانوں سے ترجمہ کرنے کی بات کی ہے۔ جب کہ الف لیلی کے آخر میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ انہوں نے بہ کمال فصاحت و بلاغت انگریزی و عربی الف لیلہ سے ترجمہ کر کے ناول کے ڈھنگ پر تحریر کیا ہے سرشار نے اپنی تالیف کا کوئی نیانام نہ رکھ کر اسے الف لیلہ ہی کہا ہے۔ البتہ بعد میں کتاب کے تاجر دیوبندی اشتہار کے ساتھ دو بطریز ناول، اکا اضناہ کر دیا ہے سرشار کی الف لیلہ بڑی تقطیع پر چھپی ہوئی ہے۔ اس میں ایک ہزار اڑتا لیس صفحات اور ہزار کہانیاں ہیں ۱۹۴۲ء میں وقار عظیم اور انتفار حسین نے سرشار کی الف لیلہ کو دوبارہ ترتیب دے کر علمی پرنسپ پریس لاہور

سے شائع کرایا۔ کتاب کی دونوں جلدوں کو یک جا کر کے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں صفات کی تعداد سات سو چھانوے ہے۔ اس مجموعے کو ایک سو زار راتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اردو میں کوئی بھی مترجم ایسا نظر نہیں آتا ہے جس نے الف لیلی کا سیدھا پچا ترجمہ کیا ہو۔

تقریباً ہر مترجم نے اپنی اپنند کے موافق اس میں مقامی رنگ بھرنے کی کوشش ہے۔ سرشار بھی اس برائی سے نہیں بچ سکے ہیں لکھنؤ میں داستان گوئی کی روایت اور اس کے اسلوب خاص کے اسم رجب علی بیگ سردار کی پیروی سرشار بھی کرتے نظر آتے ہیں اور عبارت مففع و مسجع استعمال کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی سرشار کی الف لیلی کی زبان فسانہ آزاد سے زیادہ ہلکی چھلکی ہے۔ لیکنی عبارت کو مد نظر رکھتے ہوئے سرشار کے ایک محقق و نقاد ڈاکٹر پریم پال اشک اپنی کتاب "سرشار ایک مطالعہ" میں سرشار کی تصانیف کے ذیل میں الف لیلی پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

"گو سرشار نے اس ترجمہ کو بھی اصل بنانے کی کوشش کی ہے مگر سرور کا رنگ ایسا گاہ ہے کہ نقل کو اصل بنانے میں آپ بھی طرح ناکام رہے ہیں۔ ساری عبارت مففع اور مسجع ہے جگہ جگہ استعارہ صور چیز کر دیتے ہیں لیکن ترجمہ بھر بھی ترجمہ نظر آتا ہے۔۔۔۔۔ یعنی یوں کہیے کہ سرشار کا یہ رنگ بھی ان کے زوال کی طرف صاف اور صریح اشارہ کرتا ہے۔" (۲۴)

پریم پال اشک کی تتفقید کہ "ترجمہ بھر بھی ترجمہ نظر آتا ہے" سرشار کی الف لیلی پر چنے چور کافی حد تک منحصر فیز معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ سرشار کی الف لیلی کی یہی صفت یا برائی ہے۔

آپ جو بھی کہیں کہ یہ ترجمہ جیسی نہیں لگتی ہے۔ اگر کوئی قاری جو الف لیلہ متعلق پہلے سے کچھ نہ جانتا ہو کہ اس کا پہلا مصنف کون ہے اور یہ پہلے پہل کس زبان میں کتنی تودہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا ہے کہ یہ سرشار کی اپنی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ ترجمہ کے لیے دو اہم شرطیں ہوتی ہیں جنھیں پورا کرنا مترجم کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اول یہ کہ مترجم افراد قصہ کے نام جیوں کا تیوں رہنے دے۔ اور دوسرا یہ کہ کہانی کے ماحول اور جائے وقوع کو بھی نہ بدلا جائے۔ سرشار نے الف لیلی کے افراد قصہ یعنی کرداروں کے نام جیوں کا تیوں رہنے ہیں۔ شہزاد،

شہریار، دینیازاد، شاہ زمان مہرود موجی، بکبک کبرٹا، سندباد جہازی وغیرہ۔ اس طرح سرشار ترجحے کی ایک نہایت اہم شرط کو پورا کرتے ہیں۔ اور یہی شرط اور شرط ہے جو کسی ترجحے کو ترجحے کے ذیل میں رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ترجحے کی دوسری شرط یعنی محلِ دفعہ اور ماحول کو بھی سرشار کسی حد تک پورا کرتے ہیں۔ اگر کچھ کوتاہی ہے تو محض اس وجہ سے کہ سرشار بینا دی طور پر ایک تخلیقی آدمی سمجھے۔ اور تخلیقی آدمی کے ساتھ یہی دشوواری پیش آتی ہے۔ کہ اگر اسے پیام رسالہ بنایا جائے تو وہ پیام جیوں کا تیوں نہ پہنپا کر کچھ اپنی طرف سے فزو رشامل کر دیتا ہے یہی خامی سرشار کی بھی ہے۔ سرشار برٹن نہیں بن سکے کہ الف لیلی کی پوری دنیا کو دکھا کر خود پیچھے رہ جاتے۔ سرشار کی الف لیلی میں اتنی عریانی نہیں ہے جتنی بینا دی الف لیلی میں ہے اسکی وجہ دراصل اس دور کا اصلاحی رجحان ہے۔ سرشار بغداد کے ڈرائیگ روڈوں میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔ کیوں کہ سرشار ان سے مانوس نہیں ہیں۔ اس لیے وہ ان کا مختصر ذکر کرتے ہیں مگر جہاں سرشار کی دنیا کے لوگ کہانی میں آ جاتے ہیں۔ سرشار ان کا ذکر خوب مرے لے لے کر کرتے ہیں۔ سرشار کی دنیا کے لوگ کوئی اور نہیں بلکہ وہی عام آدمی ہیں جن سے روزمرہ کی زندگی میں ہمارا کسی نہ کسی طور پر سابقہ پرستا ہے۔ بکبک کبرٹا، معروف موجی، جمام برادران وغیرہ سرشار کے اپنے کردار بن جاتے ہیں۔ جمام برادران کے قصہ میں بکبک کبرٹا پر سرشار زیادہ توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ خوبی قسم کا کردار ہے۔ اور ایسے مزاجیہ کردار کے بیان میں سرشار اپنی طبع کی جوانی خوب دکھاتے ہیں اور یہ سبھول جاتے ہیں کہ کبرٹا بغداد کا لے چکنوا کا نہیں۔

سرشار مرقع زگاری میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ ترجحے کے دوران جہاں بھی کہیں ایسا موقع آتا ہے۔ سرشار اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں سرشار بیاں یوی کی محبت کا ذکر تو بہت مختصر کرتے ہیں۔ مگر جہاں کہیں میاں یوی کی جو تم پیزار اور عاشقِ دعشق کی گائی گلوچ کا موقع آتا ہے سرشار اسے بہت مرے لے لے کر بیان کرتے ہیں ایسا ہی ایک موقع معروف موجی اور اس کی یوی مخمورہ کے قصہ کے درمیان آتا ہے۔ جہاں

ایک دن مخورہ اپنے میاں معروف سے بھرے کباوں کی فرمائش کرتی ہے معرف اپنا عذر پیش کرتا ہے۔ اس پر مخورہ آگ بولا ہو کہ معروف سے اس طرح مقاطب ہوتی ہے۔

۱۰ ان کی بیوی نے کہا خدادے یا نہ دے مجھے نہ خدا سے بحث ہے اور نہ رد پے سے میں تو تم کو جانتی ہوں اور کسی کو نہیں سمجھتا تی ہوں۔ اگر نہ لائے تو تم جانو اور تھارا کام۔ تب مخورہ میرا نام کر تم سے ابھی ابھی بدلتے ہوں۔ اور جہاں کے ہو دہاں پہنچا دوں۔ موچی غاری ہو گیا۔ اشک آنکھوں سے جاری ہو گیا۔ کہا آخر میں کہاں سے لادیں، کس کے یہاں چوری کرنے جاؤں؟ اس پر مخورہ آگ بھجوکا ہو کر بولی۔ مہت بجھے لوکا لگاؤں ترا حلہ کھاؤں ارے مردے ابھی لانے جا کے نہیں تو تیری بویاں نوجوں گی۔ اور جہاں کا ہے وہیں پہنچا دوں گی۔ مجھے جانتا ہے کہ نہیں کسی اور بھروسے سے نہ رہنا۔ میں جان کی گاہک خون کی پیاسی ہو جاؤں گی۔ ایک نہ مانوں گی۔

سرشار نے ترجمے کے دوران ان الفاظ اور محاوروں کو کبھی بڑی خوبی سے برداشتے جنحیں دوسرے متجملوں نے پست، مبتذل اور غیر ثقہ سمجھ کر حبھوڑ دیا تھا۔ سرشار جگہ جگہ اشعار کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ کہیں پر تو یہ اشعار کسی بادشاہ یا شہزادے کی فرمائش پر کسی حسین کنیز کی یاماہ رخ خوش گلوکی زبان سے ادا کیے جاتے ہیں۔ اور کہیں پر ان کا استعمال مطلب کو واضح کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے مخورہ ہی کے بیان میں ایک شاعر کا پیش کیا گیا ہے۔

ہم بتوں کو ان حسینوں سے بھلا کیا کام ہے

یہ تو عاشق زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

غرض سرشار کہانی کے دوران موقع محل کے اعتبار سے ان کے پاس جتنے بھی تجربے موجود ہوتے ہیں۔ ان کا بہ خوبی استعمال کرتے ہیں تاکہ کہانی کا مزہ بے کارہ ہونے پائے۔

الف لیلی کے ان حصوں کے ترجمے میں سرشار بڑی عجلت بیانی سے کام لیتے ہیں جن سے سرشار کی واقفیت بہت کم ہوتی ہے۔ سرشار الف لیلی کے بے آباد جزیروں اور بے کراں سمندروں کا ذکر

بڑی جلدی کرتے ہیں۔ کیوں کہ سرشار کو ان کے بیان میں کوئی رنگی نظر نہیں آتی ہے۔ سرشار بنیادی طور پر روزمرہ کی زندگی کے موقع زگار ہیں۔ اس لیے ہبلا اکھلیں سنداں باد جہازی کی کہانی سنانے میں کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ جہاں یورپین مترجموں نے سنداں باد جہازی کی کہانی کافی طویل بیان کی ہے۔ دہیں سرشار نے اسے محض سات سو فریڈری ختم کر دیا ہے۔ سنداں باد کی ان کہائیوں میں سرشار خود کو شامل نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہانیاں روکھی روکھی سی نظر آتی ہیں۔ اور ترجمہ خشک معلوم ہوتا ہے۔

چیختِ محبوعی سرشار کا یہ ترجمہ کچھ خامیوں کے باوجود ایک بہترین ترجمہ ہے۔

## خدائی فوجدار

دنیا کے کلاسیکی ادب میں "سرنٹیس" کے مشہور زمانہ مزاجیہ نادل ڈان کو نکزات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اپینی زبان کا مشہور نادل نگار (Don Quixote)

مگولیل ڈسی سردنٹیس ساویدرا (Miguel De Cervantes Saavedra) ۱۵۲۳ء

میں اپین کے ایک قصہے الکالا ڈی ہنریس (Alcala De Hanares) میں ایک عزیب خاندان میں پیدا ہوا۔ ۲۶ء اس کی ابتدائی تعلیم کے متعلق کچھ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کیوں کہ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہو سکا ہے۔ مگر اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ نٹیس سال کی عمر میں اپینی فوج میں ایک پر ائیویٹ پیا ہی کی جنگیت سے خدمت کر رہا تھا۔ وہ پیانٹو کی جنگ میں شریک ہوا۔ اور بڑی بہادری سے لڑا۔ اس جنگ میں اس کا ایک ہاتھ گولی لگنے سے بے کار ہو گیا۔ وہ ۲۴ ستمبر ۱۵۷۵ء کو آسٹریا سے لوٹ رہا تھا کہ راستے میں مور پیا ہیوں نے اسے بندی بنایا۔ پانچ سال بعد اس سے ستمبر ۱۵۸۰ء میں رہائی نصیب ہوتی ہے۔ ۲۷ء اس قید خانے کی زندگی کا احوال ڈان کی نکزات میں ہیرودان کو نکزات کے قید خانے کے احوال میں نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ اپن پہنچ کر وہ بہت سی مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ کوئی روزگار نہ ملنے پر وہ ادب کی طرف مائل ہوا۔ ان دنوں اپین میں رومانی قصتوں کا بہت زور تھا۔ اس نے بھی اسی طرز پر ۱۵۸۵ء میں دیہاتی رومان متعلق نثری داستان لا گلابی۔ (Pastoral Romance)

تصنیف کی ۲۸م مگر اس میں اس کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ بہر طور یہ مصنف کی پسندیدہ داستان رہی ہے جسے وہ ڈان کونکزانٹ کی لائبریری میں بھی سجانا نہیں سمجھوتا ہے۔ مالی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اس نے ڈرامے میں بھی قسمت آزمائی کی مگر اس میدان میں بھی دہ کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر شکست مان کر اس نے دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور اس مرتبہ اس کے ایک ساتھی کی بے ایمانی کی وجہ سے اس پر غلبہ کا مقدمہ چلا۔ اور وہ ۱۵۹۶ء تک قید میں رہا۔ اب وہ فقر بیاپ پھاس سال کا ہو چلا تھا۔ اور اس کے لیے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا بڑا شوار گزار کام تھا۔ اتنی صعوبتیں اٹھانے کے بعد کوئی دوسرا شخص ہوتا تو زندگی سے مایوس ہو گیا ہوتا۔ مگر سروینس نے ہمت نہیں ہاری۔ اور وہ مستقل مزا جی سے آگے بڑھتا گیا۔ کچھ عرصے گناہ میں رہنے کے بعد ۱۶۰۵ء میں اس کے عظیم شاہکار ڈان کونکزانٹ کا پہلا حصہ منظر عام پر آیا۔ اس کی فرمی اور عظیم کامیابی نے سروینس کی شہرت اپین کے باہر بھی پھیلادی۔ انگریزی زبان میں تھامش میں کا پہلا ترجمہ ۱۶۱۲ء میں شائع ہوا۔ فرانسیسی زبان میں سیزر راڈن (Cesar Oudin) کا ترجمہ ۱۶۱۳ء میں چھپا۔ ڈان کونکزانٹ کا دوسرا حصہ ایک لمبی خاموشی کے بعد مصنف کی وفات سے ایک سال قبل ۱۶۱۵ء میں شائع ہو سکا۔ ۱۶۲۹ء دوسرا حصہ پہلے حصے کے مقابلے میں فتنی اعتبار سے کمزور ہے جس کا احساس خود مصنف کو بھی ہے۔ اس ناول میں مصنف نے جہاں ایک طرف سو ہویں صدی کے اپین کی زندگی کا بھرپور خاکہ پیش کیا ہے۔ دلہی دوسری طرف اس کے مرد جنپول عشقیہ داستانوں سے بیزاری کا اظہار بھی ہوتا ہے ڈان کونکزانٹ کی اشاعت سے ان فضول عشقیہ داستانوں کی اشاعت بالکل ختم ہو گئی اور فرقہ بیانیہ میں سال یعنی فلپ دوکم کی حکومت تک میدرڈ سے کوئی عشقیہ داستان شائع نہ ہوئی میں مصنف نے ڈان کونکزانٹ (ہیرد) کے ذریعہ اپین میں اس وقت کے بانکون (Knights) کو اپنا طرز ہدف بنایا ہے۔ یہ بانکے اس وقت کے اپین کے اہم کردار ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ دوسروں کی بھلانی کرنے اور عشق رچانے کا بیڑا اٹھائے رکھتے رہتے۔

سو ہویں صدی کے اپین اور انہوں صدی کے لکھنوں میں کافی مہاذت پائی جاتی ہے۔ اور جہاں تک

ان بانکوں کا تعلق ہے۔ تو لکھنؤ میں بانکے امراء کثرت سے موجود تھے۔ اس مماثلت کی بنا پر سردیں کے ڈان کوئکڑاٹ سے متاثر ہو کر اردو میں کم از کم دوناول وجود میں آئے۔ ایک پنڈت رتن ناٹھ سرشار کا «فناہ آزاد»، اور دوسرا عبد الحليم شر کا ناول « حاجی بغلول»، مگر دونوں ہی نادلوں میں وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو ڈان کوئکڑاٹ میں موجود تھی! «فناہ آزاد» کا خوبی ڈان کوئکڑاٹ نہ بن سکا۔ شاید اسی وجہ سے سرشار نے دوستوں کی صلاح پر ڈان کوئکڑاٹ کا ترجمہ کرنا قبول کیا ہو تاکہ خوبی کے کردار میں جو کمی آگئی ہے اُسے خدا نے «فوجدار» سے پورا کیا جاسکے سرشار «خدا نے فوجدار» کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ۔

«اگر دو گھنٹے ترجمے میں صرف ہوتے تھے تو دس منٹ ہنسی میں ہنسنے ہنسنے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔»

سرشار کا یہ ترجمہ باقاعدہ طور پر ۱۸۹۳ء میں منظر عام پر آیا۔ ۱۹۰۲ء میں منشی نوں کشور پر لکھنؤ نے شائع کیا۔ اس کا نیسا رائڈ لائشن مطبع نوں کشور لکھنؤ سے کمیری داس سینٹ پرنسپل نڈٹ کے زیر انتظام اپریل ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔<sup>۱۳</sup> سرشار کے اس ترجمے کے متعلق ناقدین بھی ہم رائے نظر ہیں آتے ہیں۔ کچھ ناقدین کی رائے ہے کہ سرشار نے ترجمہ کیا ہی نہیں بلکہ یہ ڈان کوئکڑاٹ کا تخلیقی تصرف ہے مگر بعض کے نزدیک یہ ایک بہترین ترجمہ ہے۔ جو (Creative Adaptation)

ناقدین اسے ترجمہ مانتے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ترجمہ میں افراد قصہ کے نام وہی ہونے چاہیے جو اصل فہمے میں ملئے ہیں۔ مگر بعض کے نزدیک یہ تبدیلی جائز ہے۔ دوسری صفحہ کے ناقدین سرشار کی ہغلطی کو نظر انداز کرتے ہوتے اس کتاب کو اعلیٰ درجہ کا ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ ملا جنہے ہو چند ناقدین کی رائیں۔

«سرشار کے ایک محقق اور ناقد پر یہ پال اشک کی رائے میں» اس ناول کے ترجمے کی زبان اتنی پاکیزہ اور صاف ستری ہے کہ کہیں انگلی اسٹھاناً تو درکنا مصنوعی ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔<sup>۱۴</sup>

لیکن اس کے بر عکس قیصر صباح الحسن سرشار کو اس ترجمے کی بنیاد پر ایک اچھا مترجم

تصور نہیں کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں.....

”نام مقام طرزِ معاشرت اور طرزِ گفتگو کی یہ تبدیلی بلاشک و شبهہ تراجم میں جائز ہے لیکن سرشار اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور ان کی تمام کوششوں کے باوجود ”خدائی فوجدار“، ایک ایسا اکھڑا ہوا پودا ہے جو نام موافق زمین اور غیر آب دہرا میں لگ کر مر جھاگیا ہے۔“<sup>۳۲</sup>

اردد ادب کے ممتاز ناقد جناب آل احمد سردر، سرشار کے اس ترجمے پر ایک منصفانہ اوپرتوازن رائے رکھتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ”تفصیدی اشتارے“ میں یوں رقم طراز ہیں۔  
”خدائی فوجدار مشہور کتاب ڈان کو گذشت کا آزاد ترجمہ ہے۔ اس میں بھی سرشار نے اپنی طبع رسکے جو ہر دکھائے ہیں“<sup>۳۳</sup>

سرشار بنیادی طور پر ایک ظریف انسان تھے۔ مزاح و نظرافت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ جب سرشار کے سامنے ایک ایسی کتاب آئی جس میں ظرافت کا پہلو خاص احتصار در زمانہ بھی کتاب کے ترجمہ کے لیے سازگار تھا۔ تو انہوں نے فوراً ترجمہ کرنے کا عہد کر لیا۔ اس ترجمہ میں سرشار کو اپنی مزاح زگاری دکھانے کا بھر پور موقع ملا۔ کیوں کہ ناول کے کردار مزاحیہ تھے۔ سرشار انہوں میں ایسے کرداروں سے اچھی طرح دافق بھی تھے۔ شاید اسی لیے سرشار نے ترجمے کو اصل سے آگے بڑھا دیا۔ ناول کے قصہ کی تہیہ ہی کوئے لیجھے۔ انگریزی مترجمین کچھ اس طرح شروع کرتے ہیں۔

### ٹامس شلیٹن کا ترجمہ

"There lived not long since, in a certain village of The Mancha, the name of which I purposely omit a gentle man -----"<sup>۳۴</sup>

چارس جرداز کا ترجمہ

"In a village of La Mancha, the name of which I purposely Omit,

There lived not long ago, one of those gentlemen---" ۳۵

### سرشار کا ترجمہ

درستی صدی کا زمانہ ہوا کہ یہ بزرگ دار یعنی ہماری کتاب کے ہیر و "خدائی فوجدار کسی گاؤں میں جس کا نام بخوست کے خیال سے لوگ زبان پر نہیں لاتے۔ زعفران کے کعیدت میں چھینکتے ہوئے نولہ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی اس طمطراق اور دھوم دھعام اور عظمت کے ساتھ پیدا ہوگا۔ وہ بڑھ کر کیسا کچھ نہ نکلے گا۔ اس بے تکے پن کے صدقے کے زعفران زار میں تو تولد ہوتے مگر عشرے کے دن لیکن یار لوگ بھی کہیں پر نہیں چوکتے ادھر بے چارہ دنیا میں برآمد ہوا اور ادھر کسی دل لگی باز نے چھینک دیا ۱۲۱ کہ

انگریزی کے مترجموں نے اس نادل کے جو ترجمے کیے ہیں ان میں اور سرشار کے زیرنظر ترجمے میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جہاں انگریزی مترجم اس پر اتفاقاً کرتے ہیں کہ لاماشا کے ایک گاؤں میں "خدائی فوجدار" پیدا ہوا۔ مگر سرشار اس میں مزاح کارنگ بھرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔ بخوست کے خیال سے لوگ اس گاؤں کا نام نہیں لیتے اس پر طرفہ یہ کہ خدائی فوجدار صاحب چھینکتے ہوئے عشرے کے دن پیدا ہوئے اور اس پر بس نہیں! اک بلکہ کسی اور دل لگی باز سے چھنکوا یا بھی دیا۔ غرض سرشار نے اپنی طبع رسماً خدائی فوجدار کو اصل نادل سے زیادہ دل چسپ بنادیا۔ انگریزی مترجمین میں بیلین جہاں ڈان کو نکڑاٹ کے لوازمات میں دیکھا یا، کے علاوہ دو جانوروں (ایک بنا بدھیا گھور ۱ اور ایک تیز ٹوٹ) (A Lean Stallion and a swift greyhound)

کا ذکر کرتا ہے۔ وہیں جرواڑ ایک دبلائپتلا گھور ۱ اور ایک شکار کے لیے ٹوٹ (A Lean horse and a greyhound for coursing) کا ذکر کرتا

ہے۔ وہیں سرشار "خدائی فوجدار" کے ٹوٹ کو دبلائپتلا ہونے کے علاوہ کانا بھی بتاتے ہیں اور گھورے کی ہجو تو مزا سودا کے گھورے کی ہجویات میں لکھ گئے رقبیدے سے بھی آگے بڑھا

دیتے ہیں عرض سرشار یہاں بھی مزاح و ضرافت کے سہلو کو نمایاں کرنے کے لیے ہی ٹھوڑکو انداھا اور گھوڑے کو بہت ہی لاغز پیش کرتے ہیں۔ تاکہ قاری ان کا یہ ترجمہ خوب مزے لے لے کے پڑھے۔ اسی طرح سرشار خدائی فوجدار کی صبح خیزی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"یہ بزرگوار کوؤں کے بھی پہلے بستر غم سے امکھتے تھے۔ بستیر استراحت اس سب سے نہیں کہا کہ آرام ان کی صورت یکا معنی ان کے نام سے منزلوں دور بھاگتا تھا۔ نام صنا اور ردم سے شام ہو رہا ہے"

جہاں سرشار نے صبح خیزی کے لیے اتنی لمبی چوری وضاحت کی ہے۔ وہی انگریزی

مترجم صرف (He was an early riser) یا (A very early riser)

(شیلمن کا ترجمہ مختصر الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

سرشار اپنے اس ترجمے میں واقعات کی بھی ترتیب بدل دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر "خدائی فوجدار" کے ہر کاب، بدھونفر، کا تعارف پہلے ہی باب میں کرتے ہیں جب کہ اسکے بخلاف انگریزی ترجموں میں ساخن بانزا سے ہماری ملاقات ساتوں باب میں ہوتی ہے۔ جو بیوی بچوں کو جھپوڑ کر ڈال کوئکڑ کے ساتھ ہم پر جانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس طرح جہاں سرشار واقعات کی ترتیب بدلتے ہیں وہی اپنے طور پر کرداروں کے رہن ہن اور اطوار کو بھی بدل دیتے ہیں۔ ابتدائی حصوں میں تو کسی حد تک بخوبی ترجمہ کیا جھی ہے۔ مگر آگے چل کر بے ترتیبی اور واقعات کی تبدیلی کافی نمایاں ہو جاتی ہے۔ واقعات کی تبدیلی کے ساتھ سرشار نے اپنے اس ترجمے میں مقامی رنگ بھی پیدا کیا ہے۔ مثال کے طور پر سرونس کا ڈال کوئکڑ ڈال گیلر (Don Galaor) کو سب سے بڑا بانکا بہادر (Knight)

سمجھتا ہے۔ وہیں سرشار کا خدائی فوجدار آلا اودھن کو سمجھی سہلو انوں پروفیٹ دیتا ہے۔ عرض سرشار کے خدائی فوجدار میں ہندوستانی معاشرت کی بھرپور جھلکیاں نمایاں ہیں۔ خدائی فوجدار کے سارے کردار ہندستان کی آب وہا میں سانس لیتے نظر آتے ہیں۔ سرشار نے جہاں ایک طرف

کرداروں کے نام بدل دیتے ہیں۔ وہی دوسری طرف ان کی طرزِ معاشرت، مقام اور طرزِ لفظی  
بھی بدل دیتی ہے۔

سرشار جربتہ اشعار کا استعمال روزمرہ محادروں کی طرح کرتے ہیں۔ سرشار جہاں  
اپنی تصانیف میں اشعار کا استعمال صزوری سمجھتے ہیں وہیں تراجم میں بھی ان کا استعمال روا  
ر کھتے ہیں۔ کتاب کی پہلی جلد کی فصل ۱۲ میں تو اشعار کا یہ استعمال کافی بڑھ جاتا ہے لیعن  
جگہ تو صفحات کے صفحات اشعار سے رنگ ڈالے ہیں جو کسی حد تک ترجمے کے لیے مفید نہیں کہے  
جا سکتے ہیں۔ اس سے ترجمہ میں رکاوٹ آتی ہے۔ اور یہ بات قاری میں ایک قسم کی اکتا،  
پیدا کر دیتی ہے۔ اس طرح سرشار کا "خدا نی فوجدار"، "ڈان کوکڑاٹ" سے بالکل مختلف  
ہو جاتا ہے۔ ڈان کوکڑاٹ میں سرشار نے اپنی طرف سے بھی بہت کچھ جوڑ دیا ہے اور کافی  
کچھ جوانہیں پسند نہیں آیا حذف بھی کر دیا ہے۔ یہ بات ایک بہترین ترجمے کے لیے مناسب نہیں۔  
لیکن اس کی پوری ذمہ داری سرشار پر نہیں ڈالی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ انگریزی زبان میں ڈان  
کوکڑاٹ کے بہت سے ترجمے ہوتے تھے اور یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ سرشار کے پیش نظر  
کوکڑاٹ کا ترجمہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ سرشار کے پیش نظر کوئی ایسا ہی ترجمہ رہا ہو جس میں یہ خامیاں  
موجود رہی ہوں۔ ترجمے کے لحاظ سے اس کی دوسری بڑی خرابی عمارت کی نامہواری  
ہے۔ کہیں تو خوب مزے لے کر کہانی سنائی ہے اور کہیں بالکل عجلت بیانی سے  
کام لیا ہے۔ اس لیے قاری میں وہ ذہنی ہمواری نہیں پیدا ہوپاتی ہے۔ جو ایک ناول یا  
داستان کے لیے صزوری ہوتی ہے۔

سرشار کے ترجمے میں ان خامیوں کے باوجود سرشار کی شخصیت جیتنیستِ مترجم  
بالکل بخود رکھتے ہیں۔ پوپ نے ہومر کو یونانی ہومر سے بالکل مختلف کر دیا ہے۔ مگر  
ایدراپاونڈ کی اس بات میں دم ہے کہ پوپ نے ہومر کو جو کچھ بھی بنایا ہو لیکن کم از کم کچھ تو بنایا  
ہے۔ سرشار نے بھی ڈان کوکڑاٹ کو خدا نی فوجدار بنادیا ہے۔ اس ترجمہ سے جہاں سرشار

کی مترجمان صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہی ان کے نشری اسلوب کو بھی سمجھنے میں بڑی حد تک یہ ترجمہ ہماری مدد کرتا ہے۔ مغربی ادب کے اردو تراجم کی فہرست میں سرشار کا یہ ترجمہ سنگمیں کی بحیثیت رکھتا ہے اور بلاشبہ اردو تراجم میں یہ ایک اہم اనداز ہے۔

بلاشبہ سرشار کے یہ تراجم اردو ادب کی انمول امانت ہیں۔ ان تراجم سے جہاں سرشار کی بحیثیت مترجم شناخت قائم ہوتی ہے وہیں اردو ادب میں ترجیح کے فن کو نئی آب و تاب ملتی ہے۔

# حوالی

- ۱۔ خدائی فوجدار - رتن ناٹھ سرشار مطبوعہ ۱۹۳۴ء بارہمیں منشی نول کشور پریس لکھنؤ ص ۱
- ۲۔ مصایل چکبست ص ۳۵
- ۳۔ تعمیدی اشارے - آل احمد سردر ص ۱۲۵
- ۴۔ شمس الفتحی ڈائل ص ۱
- ۵۔ شمس الفتحی - رتن ناٹھ سرشار ص ۳
- ۶۔ شمس الفتحی - مقدمہ ایضاً
- ۷۔ شمس الفتحی - ص ۷۷
- ۸۔ شمس الفتحی - ص ۱۲
- ۹۔ شمس الفتحی - ص ۱۳
- ۱۰۔ شمس الفتحی - ص ۱۲
- ۱۱۔ شمس الفتحی - ص ۱۲
- ۱۲۔ شمس الفتحی - ص ۲۸
- ۱۳۔ سرشار کی نادل نگاری - ڈاکٹر لطیف حسین ادیب ص ۳۸۳
- ۱۴۔ سرشار ایک مطالعہ - پریم پال اٹک ص ۱۸۳
- ۱۵۔ رشیا حصہ اول باب اول ص ۱
- ۱۶۔ اعمال نامہ روں باب اول ص ۱
- ۱۷۔ دی نوبیسی - میکنزی داس باب سترہ جلد اول ص ۷۱
- ۱۸۔ اعمال نامہ روں - رتن ناٹھ سرشار - باب چودہ ص ۲۶۴
- ۱۹۔ اعمال نامہ روں - رتن ناٹھ سرشار ص ۲۵

- ۲۰ - اعمال نامہ روس مقدمہ ص ۳
- ۲۱ - اعمال نامہ روس - تقریظ انواع کشور ص ۳
- ۲۲ - اردو کی نشری داستانیں - ڈاکٹر گیان چند جلیں ص ۴۳۳
- ۲۳ - اردو کی نشری داستانیں - گیان چند جلیں ص ۲۳۱ - ۶۲۱
- ۲۴ - سرشار ایک مطالعہ - پریم پال اشک ص ۱۸۱
- ۲۵ - ہزار داستان - رتن ناتھ سرشار ص ۳۰ - ۷۳۹
- ۲۶ - ڈان کوئکڑاٹ آف مانشا - ترجمہ ٹامس شیلین مقدمہ
- ۲۷ - ڈان کوئکڑاٹ - ترجمہ - چارلس جرواز - مقدمہ ص ۸
- ۲۸ - ڈان کوئکڑاٹ - ترجمہ چارلس جرواز - مقدمہ ص ۹
- ۲۹ - ڈان کوئکڑاٹ - ترجمہ ٹامس شیلین - مقدمہ -
- ۳۰ - خدائی فوجدار - رتن ناتھ سرشار - جلد دوم - خاتمہ الطبع ص ۲۵۶
- ۳۱ - سرشار ایک مطالعہ - پریم پال اشک ص ۱۸۲
- ۳۲ - سرشار رتن ناتھ - قیصر مصباح الحسن ص ۷۱۶
- ۳۳ - تقدیری اشارے - آل احمد سرور ص ۱۳۰
- ۳۴ - ڈان کوئکڑاٹ ترجمہ ٹامس شیلین ص ۱ باب اول جلد اول
- ۳۵ - " " ترجمہ چارلس جرواز ص ۹ باب اول جلد اول
- ۳۶ - خدائی فوجدار - رتن ناتھ سرشار - جلد اول پہلا باب فصل اول ص ۱
- ۳۷ - خدائی فوجدار - رتن ناتھ سرشار پہلا باب فصل ۱ ص ۲

## کتابیات

- ۱ - آزاد۔ محمد حسین۔ آبِ جیات۔ اتر پر دشیں اردو اکادمی۔ لکھنؤ ۱۹۸۶ء
- ۲ - آسمی۔ عبدالباری۔ تذکرہ خندۂ گل۔ نگارشن پریس لکھنؤ ۱۹۲۹ء
- ۳ - آغا۔ محمد باقر۔ تاریخ نظم و نثر اردو۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور ۱۹۵۰ء
- ۴ - اشک۔ پریم پال۔ رتن نانھ سرشار۔ ایک مطالعہ۔ آزاد کتاب گھر کلاس دہلی  
بار اول ۱۹۶۳ء
- ۵ - اعجاز حسین سید (ڈاکٹر) مختصر تاریخِ ادب اردو۔ آزاد کتاب گھر جوہانی ۱۹۵۳ء
- ۶ - بیگ۔ مرزا حامد (ڈاکٹر)۔ ترجمے کافن مقدارہ قومی زبان اسلام آباد ستمبر ۱۹۸۰ء
- ۷ - بیگ۔ مرزا حامد (ڈاکٹر) کتابیات تراجم مقدارہ قومی زبان اسلام آباد
- ۸ - بیگ۔ مرزا حامد (ڈاکٹر) مغرب سے نزدی تراجم مقدارہ قومی زبان اسلام آباد
- ۹ - تبسم کاشمیری۔ نقد سرشار۔ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور جنوری ۱۹۴۸ء
- ۱۰ - تنہا۔ محمد بھئی۔ سیر المصنفین (جلد دوم) جامعہ ملیہ دہلی ۱۹۷۸ء
- ۱۱ - جگر بریلوی۔ یادِ رفتگان۔ مطبع انوار احمدی۔ الہ آباد۔ ۱۹۳۳ء
- ۱۲ - جمیل جالبی (ڈاکٹر)۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول)۔ دہلی ایجوکیشنل پبلیشور ۱۹۶۶ء
- ۱۳ - جیں۔ گیان چند (ڈاکٹر) اردو کی نثری داستانیں۔ اتر پر دشیں اردو اکادمی۔ لکھنؤ، ۱۹۸۰ء
- ۱۴ - چکبست۔ برج زمان مہماں چکبست۔ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۵۵ء
- ۱۵ - حسینی۔ علی عباس۔ اردو نادل کی تخفید۔ تاریخ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۸۸ء

- ۱۴ - در - لشتن نرائیں - سرشار بیشن نرائیں کی نظریں (مترجم) - آزاد کتاب گھر دہلی ۱۹۴۶ء
- ۱۵ - سرشار - رتن ناچھ - الف لیلی (مترجم) - نول کنشور لکھنؤ ۱۹۰۱ء
- ۱۶ - سرشار - رتن ناچھ - الف لیلی (مترجم) شیخ غلام علی اینڈنس لامبے لہور ۱۹۴۲ء
- ۱۷ - سرشار - رتن ناچھ - شمس الفتحی - نول کنشور لکھنؤ ۸، ۱۹۱۹ء
- ۱۸ - سرشار - رتن ناچھ - خدائی فوجدار - نول کنشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۳ء
- ۱۹ - سرشار - رتن ناچھ - اعمال نامہ روں - نول کنشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء
- ۲۰ - سرشار - رتن ناچھ - تنقیدی اشارے - سرفراز قوئی پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء
- ۲۱ - سردار - رتن ناچھ - سکسینہ - رام بابو - تاریخِ ادبِ اردو - منشی تاج کمار لکھنؤ ۱۹۲۶ء
- ۲۲ - سردار - آکل احمد - تنقیدی اشارے - سرفراز قوئی پریس لکھنؤ ۱۹۴۱ء
- ۲۳ - سری رام - ایم۔ اے (لالہ) - خم خانہ جاوید جلد چہارم - دہلی ہمدرد پریس ۱۹۲۶ء
- ۲۴ - سکسینہ - رام بابو - تاریخِ ادبِ اردو - منشی تاج کمار لکھنؤ ۱۹۲۹ء
- ۲۵ - سید - لطیف حسین - سرشار کی ناول نگاری - انجمن پریس کراچی ۱۹۴۱ء
- ۲۶ - شوق اور بے خبر - بہار گلاشن کشمیر جلد اول - انڈین پریس لمیڈیا لاہور ۱۹۳۱ء
- ۲۷ - عبدالحق (مولوی) مطالعہ سریڈاحمد خان - ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۳ء
- ۲۸ - عبدالشکور ایم۔ اے - دو رجید کے چند منتخب شعراء کتاب خازن - داش محل لکھنؤ ۱۹۳۲ء
- ۲۹ - خشرت - خواجہ عبدالرؤف - ہندو شعراء - نامی پریس لکھنؤ - جنوری ۱۹۳۱ء
- ۳۰ - فاروقی - احسن (ڈاکٹر) اردو نادل کی تنقیدی تاریخ - اردو اکادمی لامبے ۱۹۵۱ء
- ۳۱ - قادری - حامد حسن - داستان تاریخ اردو - لکشمی نرائیں اگر واں - آگرہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۵ء
- ۳۲ - قمریس (ڈاکٹر) رتن ناچھ سرشار ساہیہ اکادمی نیا دہلی
- ۳۳ - قمریس (ڈاکٹر) ترجمہ کافن اور روایت - تاج پیشنس ہاؤس دہلی جون ۱۹۷۶ء
- ۳۴ - قیصر - مصباح الحسن - رتن ناچھ سرشار - تنویر پریس لکھنؤ ۱۹۸۲ء
- ۳۵ - کلیم الدین احمد (ڈاکٹر) اردو زبان فن داستان گوئی - دائرہ ادب پٹنہ
- ۳۶ - مالک رام - قدیم دہلی کالج - مکتبہ جامعہ لمیڈیا نیا دہلی - فروری ۱۹۱۵ء

- ۲۸۔ منظر عباس نقوی (پروفیسر) - دید الدین سلیم - حیات اور ادبی خدمات  
علی گرڈ مولی یونیورسٹی پرنس ۱۹۴۹ء
- ۲۸۔ نثار احمد قریشی - ترجمہ - روایت اور فنِ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ستمبر ۱۹۸۵ء
- ۲۹۔ وقار عظیم داکٹر داستان سے انسان تک تاج آفست پرنس ال آباد
- ۳۰۔ وقار عظیم داکٹر ہماری داستانیں اور یتھل کانج لاہور ۱۹۶۳ء

### رسالہ جات:-

آجھل	نئی دہلی	دسمبر ۱۹۸۹ء
زمانہ	کانپور	مئی ۱۹۲۳ء
زمانہ	کانپور	اکتوبر ۱۹۲۸ء
سب سک	جیدر آباد	اپریل ۱۹۲۲ء
نقوش (افسانہ نمبر)	لاہور	۱۹۵۴ء

### English Books And Encyclopaedias

- Chatterji, H.L. (M.A.) Pt. Bishan Narian Dar's Speeches And Writings. Anglo Oriental Press Lucknow - 1921.
- Charles, Jervas Don Quixote By Miguel De Cervantes Saavedra, Vol. I, II. The World's Classic Hamphrey Millford Oxford University Press - 1924.
- Edward William Lane The Arabian Nights Entertainments, Vol. IV. G. Bell and Sons Ltd. London - 1914.
- Newby, P.H. Thousand Nights And a Night (A Selection From R.F. Burton's Translation) Morrison And Gibb Limited, London And Edinburgh. Feb. 1956.
- Shelton Thomas Don Quixote of the Mancha By Miguel De Cerventes Saavedra, Grolier Enter Prises Corp. Manufactured In U.S.A., 1980.

6. Sir Abdul Qadir Famous Urdu Writers And Poets, New Book Society Publishers Lahore, 1947.
7. Wallace, D. Mackenzie Russia, Vol. I, Russia Description And Travel, Cassell Petter & Galpin London, Paris & New York, 1877.
8. Wallace, D. Mackenzie Russia, Vol. II, Russia Social Life and Custom. Cassell Petter & Galpin London, Paris & New York, 1877.
9. The New Encyclopaedia Britannica, Micropedia, Vol. IX, X, Encyclopaedia Britannica, Inc. 1982.
10. New Standard Encyclopaedia, Vol. II, Standard Educational Corporation, Chicago, 1983.

### ہندی کتب:

- ۱- آلوک کمارستوگی (ڈاکٹر) - ہندی میں بیوہارک انواد - جیون جیوت پر کاشن دلی ۱۹۸۷ء
- ۲- اخترام حسین - سید - اردو ساہت کا انتہا س - انجمان ترقی اردو ہند علی گڑھ ۱۹۵۳ء
- ۳- رادھے شیام گپت (ڈاکٹر) - ہندی کہانی کا شلپ و دھان - ہندی ساہتیہ سنتھان "اجیر" ۱۹۴۴ء
- ۴- سنتھا - سریش - ہندی کہانی - ادیبو اور وکاس - انشوک پر کاشن دلی ۱۹۴۷ء
- ۵- لمحہ نرائن لال (ڈاکٹر) - ہندی کہانیوں کی شلپ و دھی کا وکاس ساہتیہ کھون پر ایسویٹ لمیڈٹ - ال آباد ۱۹۴۰ء